POSTED ON 20 January 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.) 41/2006-08 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8.

قیمت =/Rs 5

Financial Help Available for Popularizing Computer Literacy

کمپیوٹر تعلیم عام کرنے کیلئے مالی تعاون

Centre for Studies on Science کمپیوٹر تعلیم عوام تک پہنچانے کے لئے اسکولوں، مدرسوں، غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) اور ایسے متحرک افراد کو قومی سطح پر مالی تعاون فراہم کررہا ہے جو کمپیوٹر لٹریسی کی ہماری قومی مہم میں حصہ دار بننا چاہتے ہیں۔ تعاون کیونکہ محدود ہے اس لئے دلچسپی رکھنے والے افراد یا ادارے جو ملک کے کسی بھی حصہ سے تعلق رکھتے ہوں فوراً رابطہ قائم کریں۔ Coordinator کے نام پہلے آنے والی درخواستوں کو ترجیح دی جائے گی۔

CSOS Computer Literacy Initiative

Centre for Studies on Science

Darul Fikr, The Main Road, Iqra Colony, New Sir Syed Nagar, Aligarh-202002, Ph.: 0571- 2401209, E-mail: shabasar@yahoo.com

''اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (قرآن)

سہ روزہ دعوت نئی دہلی

مکتبۃ الفہیم متوناتھ بھنجن کی تین اہم اور نئی مطبوعات

① سنت رسول کیا ہے اور کیا نہیں؟
مصنف: عاصم الحداد (مصنف فقہ السنہ اردو) — صفحات: 80 — قیمت: -/35

② ائمہ عظام کی جانب منسوب غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ
تالیف: علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ — مترجم: غلام احمد حریری، نظر ثانی: مولانا مظہر علی مدنی — صفحات: 112 — قیمت: -/50

③ بدعت کی حقیقت
علامہ ابن باز۔ ماہر القادری۔ مولانا عامر عثمانی — صفحات: 288 — قیمت: -/110

Maktaba Al-Faheem مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی
1st Floor Raihan MarketDhobia Imli Road Sadar Chowk MaunathBhanjan (U.P.)275101
Ph.: 0547-2222013 (S) 2520197 (R) Mob 9889123129/9236761926
پہلی منزل ریحان مارکیٹ، صدر چوک، مئوناتھ بھنجن، مئو (یوپی) ۲۷۵۱۰۱

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۸ ● ۲۲ر جنوری ۲۰۰۹ء ● 22 Jan.2009 ● جمعرات ● ۲۴ر محرم الحرام ۱۴۳۰ھ ● قیمت =/Rs.5 ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۳ر ریال ● Posting: 20 Jan. 2009 Tuesday

لاطینی امریکہ کے ملکوں کا یہ قدم مسلم ملکوں کیلئے ایک سبق ہے

اسرائیل نے حماس کے راکٹ حملوں کا بہانہ کرکے غزہ میں فلسطینیوں کی نسلی تطہیر کی جو مہم چلائی ہے، بین الاقوامی برادری نے ایک طرح سے اس کا تماشہ ہی دیکھا۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ زبانی جمع خرچ کے علاوہ انہوں نے قیام امن کے لیے کچھ نہیں کیا۔ سب سے زیادہ شرمناک اور افسوسناک رویہ مسلم ممالک خصوصاً پڑوسی عرب ملکوں کا تھا۔ غزہ سے بہت دور لاطینی امریکہ کے غیر مسلم ملکوں نے غزہ کے لوگوں کے ساتھ اظہار یک جہتی و ہمدردی کرکے انہیں غیرت بھی دلائی پھر بھی ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ وہ امریکہ اور اسرائیل کو جنگ بندی پر مجبور کرنے کے لیے کچھ نہیں کرسکے۔ اپنے اثر و رسوخ اور طاقت کا بھی استعمال نہیں کرسکے۔

غزہ میں لڑائی میں اسرائیل اور امریکہ دعوے خواہ کچھ کریں، حماس کو سبق سکھانے اور اس کے فوجیوں کو مارنے یا اس کی راکٹ صلاحیت ختم کرنے کے لیے جنگ نہیں تھوپی گئی بلکہ یہ کھلی ہوئی فلسطینیوں کی نسل کشی تھی آخر اسے جنگ کیسے کہا جاسکتا ہے جس کے ہلاک شدگان اور زخمیوں میں سے تقریباً نصف کا تعلق بچوں اور خواتین سے ہو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حماس کو مارنے اور سبق سکھانے کے لیے اسرائیل نے جنگ کی تو بارہ سو سے زائد ہلاک شدگان میں 105 خواتین اور پونے چار سو بچے اور پانچ ہزار زخموں میں 500 بچے اور 700 خواتین کیسے شامل ہیں۔ حماس کے رہنما اور کارکنان نشانے پر تھے تو اتنی بڑی تعداد میں خواتین اور بچے ہلاک اور زخمی کیوں ہوئے؟ شاید اسی لیے کہا جارہا ہے کہ یہ جنگ نہیں فلسطینیوں کی نسل کشی تھی۔ فلسطینیوں کی نئی نسل اور خواتین کو نشانہ بنایا گیا۔

بات صرف خواتین اور بچوں کو نشانہ بنانے کی نہیں ہے۔ اسرائیل نے غزہ میں زیادہ سے زیادہ تباہی مچانے کے لیے خطرناک اور ممنوعہ ہتھیاروں کا استعمال کیا۔ 13 جنوری کے میل ٹوڈے نے انسانی حقوق کی تنظیم ہیومن رائٹس واچ کے حوالے سے اور 15 جنوری کے ہندوستان ٹائمز نے ناروے کے ایک ڈاکٹر کے حوالے سے جو غزہ پٹی میں تعینات تھا یہ خبر شائع کی ہے کہ اسرائیل نے غزہ کی لڑائی کے دوران ایک دن خان یونس شہر کے مشرق میں واقع خوزہ کے علاقے میں فاسفورس (گندھک) کے بم پھینکے جن میں کم از کم 50 افراد زخمی ہوئے۔ ان کا علاج کرنے والے ڈاکٹروں نے اس کی تصدیق بھی کی۔ حالانکہ بین الاقوامی قانون کے مطابق عام شہریوں کے خلاف گندھک کے بم استعمال کرنے پر پابندی ہے لیکن اسرائیل نے 2006 کی لبنان جنگ کی طرح یہاں بھی ممنوعہ ہتھیاروں کے استعمال سے گریز نہیں کیا۔ کچھ رپورٹیں تو ایسی بھی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل نے صرف فاسفورس بموں کا ہی نہیں بلکہ اور بھی کئی نئے ممنوعہ ہتھیاروں کا استعمال کیا اور ان ہتھیاروں کا تجربہ کیا جو امریکہ نے اسے گزشتہ چند برسوں میں فراہم کیے تھے۔ اس سے اسرائیل کو یہ فائدہ ہوا کہ اس نے اپنے تمام ہتھیار آزما لیے اور غزہ میں بھرپور جارحیت میں کامیاب رہا اور امریکہ کو فائدہ یہ ہوا کہ ہتھیاروں کے تجربے کے بعد اسے مزید آرڈر ملیں گے اسی لیے وہ اسرائیل کی پشت پر کھڑا ہو کر جنگ روکنے والوں کے خلاف ڈھال بنا رہا ہے۔ حیرت ہے کہ اسرائیل کے ذریعہ نئے امریکی ہتھیاروں کے استعمال کے باوجود ان عرب ممالک کی آنکھیں نہیں کھلیں جنہوں نے گزشتہ چند برسوں میں امریکہ سے بہت بڑی تعداد میں مہنگے داموں میں ہتھیار خریدے اور وہ اسرائیل کے مقابلہ میں بہت کم مؤثر ہیں۔ یہاں بھی امریکہ نے جانبداری کا مظاہرہ کردیا۔ اس نے اسرائیل کو ہتھیاروں کا تجربہ کرنے کا موقع بھی فراہم کردیا اور عرب ممالک کے ہتھیار زنگ لگنے کے لیے پڑے رہے۔

اسرائیل نے صرف فلسطینیوں کی نسل کشی ہی نہیں کی بلکہ ڈیڑھ درجن مساجد کو شہید کرکے قبرستانوں پر بمباری کرکے لاشوں کے پرخچے اڑا کر مذہب پر بھی حملہ کیا اور مسلمانوں کی توہین بھی کی۔ اس کے حملوں سے اقوام متحدہ کے اسکول، ہیڈکوارٹر، ریڈ کراس کے دفاتر اور گاڑیاں تک محفوظ نہیں رہیں۔ خود اقوام متحدہ کے امدادی ادارے نے یہ تسلیم کیا کہ غزہ کے لوگوں کے لیے کوئی بھی جگہ محفوظ نہیں ہے۔ غزہ کا پورا انفراسٹرکچر تباہ ہوگیا۔ ہزاروں مکانات ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہوگئے۔ غزہ کا پورا نقشہ ہی بدل گیا لیکن عرب اور مسلم ممالک پر ان سب باتوں کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ یہ معمولی بات نہیں ہے کہ غزہ پر حملے کے 19 دن بعد بھی عرب لیگ اور 57 مسلم ممالک کی نمائندہ تنظیم او آئی سی کی کوئی میٹنگ نہیں ہوسکی۔ عرب ممالک نے ملاقاتوں یا معمولی سطح کی میٹنگوں یا زیادہ سے زیادہ بیانات جاری کرکے اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی کوشش کی۔ جنگ بندی سے زیادہ انہوں نے اپنے اختلافات کو اجاگر کیا۔ ہر گروپ نے الگ الگ تجویز پیش کی اور میٹنگ کی۔

یہ کتنی شرم کی بات ہے کہ وینزویلا، بولویہ اور ہوریطانیہ جیسے لاطینی امریکی ممالک نے فلسطینیوں کی نسل کشی پر فلسطینیوں کے ساتھ اظہار یک جہتی و ہمدردی کرتے ہوئے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات ختم کرلیے، دیگر لاطینی امریکی ممالک کولمبیا، گوئٹے مالا اور ایکواڈور نے بھی اسرائیلی جارحیت کی مذمت کرتے ہوئے اس کے خلاف جنگی جرائم کا مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا۔ عرب اور مسلم ممالک میں سے صرف قطر نے سفارتی تعلقات ختم کرنے کی ہمت دکھائی۔ ترکی اور ایران نے بھی کچھ سخت موقف اختیار کیا لیکن بقیہ تو خاموشی سے یا تو تماشہ دیکھتے رہے یا اس امریکہ سے صلاح و مشورہ کرتے رہے جو خود جنگ چاہتا تھا جو ایک طرف خطے میں امن کا علم اٹھائے رکھتا ہے اور دوسری طرف اسرائیل کی جارحیت کو تحفظ بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ وہی امریکہ ہے جو گزشتہ ایک سال سے 20 جنوری 2009 سے خطے میں امن معاہدہ کرانے کی رٹ لگا رہا تھا لیکن اس وقت اس نے اسرائیل کو جنگ کے لیے ہری جھنڈی دکھادی۔ امریکہ اور اسرائیل کا کام ہی خطے سے امن کو دور رکھنا ہے۔ سب سے زیادہ شرم کی بات عرب اور مسلم ممالک کی بزدلی اور امریکہ نوازی ہے۔ (ص ن)

اسرائیل سے سفارتی تعلقات ختم

دوحہ: وینزویلا اور بولویہ کے بعد اب قطر اور موریطانیہ نے غزہ میں جارحیت اور فلسطینیوں کی نسلی تطہیر کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اسرائیل سے اپنے سفارتی تعلقات ختم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ادھر حماس، شام اور ایران نے مسلم و عرب ممالک سے اپیل کی ہے کہ وہ اسرائیل سے اپنے سبھی رشتے ختم کردیں۔ ایران نے تو ان تمام کمپنیوں کا بائیکاٹ کیا ہے جن کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات ہیں اور اب امریکہ سے بھی رشتے توڑنے کی بات کہی ہے۔ لاطینی امریکی ملکوں میں سے وینزویلا، بولویہ اور موریطانیہ کے مذکورہ فیصلہ کے علاوہ ان ملکوں کے ساتھ ساتھ ایکواڈور، کولمبیا اور گوئٹے مالا نے اسرائیلی جارحیت کی مذمت کی اور فوری جنگ بندی کا مطالبہ کیا۔

جنگ کے بعد غزہ کے حالات

دمشق: اسلامی تحریک مزاحمت حماس کے سیاسی شعبہ کے صدر خالد مشعل نے کہا ہے کہ جنگ کے بعد غزہ کے حالات جنگ سے پہلے کے حالات سے یکسر مختلف ہوں گے۔ اس کی عزت و وقار میں اضافہ ہوگا جب کہ قابض صہیونیوں کو پوری دنیا میں ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہاں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ قابض صہیونی غزہ میں جو کھیل کھیل رہے ہیں یہی ان کی تباہی کا نقطۂ آغاز بنے گا۔ اسرائیل کا یہ کہنا کہ وہ آگ سے مذاکرات نہیں کرسکتا اس کی بوکھلاہٹ اور شکست کا واضح ثبوت ہے۔ وہ فلسطینی عوام کے سامنے بے بس اور شکست خوردہ ہوچکا ہے۔

غزہ پر حملوں سے نقصان

رام اللہ: غزہ پر اسرائیلی حملہ سے اب تک کم از کم ایک ارب 40 کروڑ ڈالر کا نقصان ہوچکا ہے۔ فلسطین کے اعداد و شمار کے بیورو کے مطابق تقریباً 26 ہزار غزہ کے باشندے اپنے گھروں میں نہ رہ سکنے کی وجہ سے عارضی گھروں میں رہ رہے ہیں۔ چار ہزار عمارتیں مکمل طور پر تباہ ہوگئی ہیں جب کہ 20 ہزار رہائشی عمارتوں کو نقصان پہنچا ہے۔ پل، بجلی لائنوں، پانی اور صفائی کے نظام بھی تباہ ہوئے ہیں۔ بیورو نے عمارتوں کی تعمیر میں تقریباً ایک لاکھ ڈالر خرچ ہونے کی بات کہی ہے روزانہ محصولات کا نقصان اب تک 4 لاکھ 20 ہزار ڈالر تک پہنچ چکا ہے، جانی نقصان الگ ہے۔

ائمہ کو ملی بینڈ کا مکتوب

لندن: غزہ میں حماس کے خلاف اسرائیلی کارروائی کو حد سے زیادہ شدید بتاتے ہوئے برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ نے ملک کی آٹھ سو مساجد کے ائمہ کو لکھا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں امن کے تصور کو زندہ رکھنا حکومت برطانیہ کا فرض ہے اور وہاں صرف اور صرف منصفانہ اور دیرپا سمجھوتہ ہی فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کے لیے یکساں طور پر سلامتی کا ضامن بن سکتا ہے۔

امریکہ۔یو اے ای معاہدہ

واشنگٹن: امریکہ میں بش انتظامیہ نے وہائٹ ہاؤس سے رخصت ہونے سے محض پانچ دن قبل کانگریس کے اعتراضات کو نظر انداز کرتے ہوئے متحدہ عرب امارات کے ساتھ جوہری معاہدے پر دستخط کردیے۔ امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس اور متحدہ عرب امارات کے وزیر خارجہ شیخ عبداللہ بن زائد النہیان نے 10 جنوری کو معاہدہ پر دستخط کئے۔ اس موقع پر امریکی وزیر خارجہ نے کہا کہ یہ معاہدہ متحدہ عرب امارات میں امریکی تاجروں کے لیے نیا باب کھولے گا۔

ممبئی حملہ آوروں کے خلاف مقدمہ

اسلام آباد: پاکستان کے وزیر داخلہ رحمٰن ملک نے کہا ہے کہ ممبئی حملوں میں ملوث پائے جانے والے کسی بھی پاکستانی شہری سے سختی برتی جائے گی اور اس کے خلاف ملک کی خصوصی انسداد دہشت گردی عدالتوں میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ اس کی تفتیش کے لیے فیڈرل جانچ ایجنسی کے ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل جاوید اقبال کی سربراہی میں ایک سہ رکنی کمیشن قائم کردیا گیا ہے۔

خبر و نظر

عالمی معاشی بحران اور اسلام

کیا اسلام موجودہ عالمی معاشی بحران کا کوئی موثر حل پیش کرتا ہے؟ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ایسا کوئی نسخہ تو نہیں ہے کہ جسے اسلامی حل کے طور پر پیش کیا جاسکے اور دیکھتے ہی دیکھتے بحران دور ہوجائے، البتہ اسلام اس سلسلے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ موصوف کے نزدیک اسلام سمیت تمام مذاہب نے اپنے اپنے طور پر اس کی صرف بنیادیں فراہم کردی ہیں، اب اس بحران کے حل کی کوشش سبھی انسانوں کو مل جل کر کرنی چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس خیال کا اظہار 17 جنوری کو نئی دہلی میں ''عالمی معاشی بحران اور اسلامی معاشیات'' کے موضوع پر ایک لکچر دیتے ہوئے کیا۔ ڈاکٹر صدیقی صاحب، ایک دنیا واقف ہے کہ اسلامی معاشیات کے ممتاز اور تسلیم شدہ ماہر اور تحریک اسلامی کی ایک اہم شخصیت ہیں۔ لکچر کا اہتمام سماجک چیتنا منچ نے کیا تھا، صدارت جناب کے رحمان خاں ڈپٹی چیرمین راجیہ سبھا نے کی۔ دیگر افراد نے بھی اظہار خیال کیا، سوالات بھی ہوئے۔ لوگ جاننا چاہتے تھے کہ اس بحران کا حل اسلام کیا پیش کرتا ہے۔ کیا تاریخ میں اسلامی معاشی ریاست کی کوئی نظیر موجود ہے، اسلامی مالی ادارے آخر ناکام کیوں ہوجاتے ہیں اور یہ کہ کیا اس کا حل ہم مسلمان اسلام کا نام لیے بغیر صرف انسانی حوالے سے پیش نہیں کرسکتے؟

موضوع خشک تھا

موضوع ظاہر ہے کہ خشک ترین تھا یعنی موجودہ بحران اور اسلامی معاشیات ایک عام آدمی کے لیے پہلے تو یہ سمجھنا ہی مشکل ہے کہ یہ بحران آخر ہے کیا اور پھر اس کا حل اور وہ بھی اسلامی حل۔ سمجھنے سمجھانے کے لیے تو یہ ماہرین معاشیات ہی کا موضوع ہوسکتا ہے۔ تاہم ڈاکٹر نجات اللہ صاحب نے نہایت عام فہم زبان میں اور عملی مثالوں کے ذریعے مسئلہ زیر بحث سمجھانے کی کامیاب کوشش کی۔ البتہ اسلامی حل کے سلسلے میں کوئی ٹھوس اور واضح بات سامنے نہیں آئی جس کی کہ اکثر حاضرین توقع کررہے تھے۔ ایسا شاید اس لیے ہوا کہ مسئلہ معیشت کو شرکاء الگ تھلگ کرکے دین اسلام کی روشنی میں سمجھنا چاہتے تھے اور سمجھانے والوں کا ذہن بھی یہی تھا کہ گفتگو صرف معیشت تک محدود رہے۔ یعنی یہ بتانے کا موقع نہیں تھا کہ معیشت، معاشرت اور تعلیم سمیت انسانی زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کا نقطۂ نظر سمجھنا یا سمجھانا ہو تو بات پورے اسلام کی کی جائے گی یعنی سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ اسلام ہے کیا، کائنات اور انسان کے بارے میں اس کا نظریہ کیا ہے، انسان اور انسانی معاشرت سے وہ کیا چاہتا ہے، گویا اسلام کو اس کے کل کے ساتھ دیکھے بغیر جز کی بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔

پہلے اسلام کو سمجھ لیجیے

اسلام، جیسا کہ ہر باشعور مسلمان جانتا ہے مکمل نظام حیات ہے اور توحید، رسالت و آخرت اس کے بنیادی عقائد ہیں جنہیں ایک لفظ میں ایمان کہتے ہیں۔ اسلام کی کتاب قرآن کا بنیادی موضوع انسان ہے۔ معیشت دوسرے بہت سے شعبوں کی طرح انسانی زندگی کا صرف ایک شعبہ ہے۔ لہٰذا اس شعبے میں اسلام کے موقف کو سمجھنے کے لیے اسلام کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ اسلام مالی و معاشی وسائل کی منصفانہ تقسیم چاہتا ہے (مساویانہ نہیں)۔ ایک طرف یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ ہر انسان کی بنیادی ضروریات پوری ہوں، دوسری جانب صلاحیت، قابلیت اور محنت کے لحاظ سے حصول وسائل کا حق دیتا ہے لیکن وہاں بھی حلال و حرام کی تمیز سے انسانوں کو اس طرح باندھ دیتا ہے کہ وہ اس کی مرضی سے باہر قدم نہ رکھیں۔ خوشحال افراد اور خاندانوں پر زکوٰۃ و عشر فرض کرکے اور انہیں خیرات و صدقات کی ترغیب کے ذریعے ایسی سوسائٹی کے قیام کا حکم دیتا ہے جس میں انسان بھوکا اور بے سہارا نہ رہے...... اب سوال یہ ہے کہ کیا اس قسم کی کوئی سوسائٹی روئے زمین پر موجود ہے، جواب یہ ہے کہ نہیں، اور اس کے ذمہ دار مسلمان ہیں۔ لہٰذا اسلامی نظام معیشت کو تمام انسانوں کے لیے رحمت بتانے سے پہلے ضروری ہے کہ مسلمانوں کو اس کی فرضیت، ضرورت، اہمیت اور اس کے فضائل و برکات بتائے جائیں۔ (پ ر)

نئے امریکی صدر ملک کو تباہی سے بچانے کی فکر کریں

اکیسویں صدی کے آغاز میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ چھیڑنے والے امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کی مدت صدارت ختم ہونے پر ان کی ناکامیوں اور کارناموں کا جائزہ لینے کا سلسلہ زور و شور سے جاری ہے۔ جارج بش کے آٹھ سالہ دور اقتدار کے کسی خوش آئند عمل کا میڈیا میں کہیں کوئی ذکر دیکھنے کو نہیں مل رہا ہے۔ تاہم نہ صرف امریکہ کی سطح پر بلکہ عالمی، بین الاقوامی سطح پر ان کی تباہ کاریوں کو دنیا عبرت کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے۔ اہل علم و دانش نو منتخب صدر کو بش کی غلط کاریوں سے دور رہنے اور دنیا بالخصوص امریکہ میں ان کی پھیلائی ہوئی تباہ کاریوں، نقصانات اور مضر اثرات کی تلافی کی تدابیر کے سلسلے میں تجاویز پیش کررہے ہیں۔ امریکی عوام خاص طور سے اقتصادی و معاشی مسائل کے حل تلاش کرنے اور ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے فکر و تشویش میں مبتلا ہیں کہ جہاں کئی صدیوں سے دنیا بھر سے لوگ روزگار و خوش حالی اور دولت کی تلاش میں امریکہ کی طرف دوڑتے نظر آتے تھے اگر چند سال مزید موجودہ صورتحال برقرار رہی تو امریکی اصحاب علم و ہنر روزگار اور وسائل زندگی کی تلاش میں امریکہ سے دوسرے ملکوں کی طرف بھاگتے نظر آنے لگیں گے۔ چنانچہ نو منتخب صدر امریکہ اوباما کو مشورے دیے جارہے ہیں کہ ان کو سب سے پہلے اقتصادیات اور معاشیات پر توجہ دینی چاہیے۔ امریکی جس تیزی کے ساتھ اقتصادی و معاشی قعر مذلت میں گرتے نظر آرہے ہیں ان کو سب سے پہلے اس پستی سے نکالنا ہوگا۔ اگر وہ امریکہ کے مادی پس منظر میں کوئی خوشگوار تبدیلی لانا چاہتے ہیں تو ان کا سب سے پہلا کام اس مسئلہ کو حل کرنا ہوگا۔

اوباما کے سامنے دوسرا سب سے بڑا مسئلہ یہ رکھا جارہا ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو اور جتنی جلد ممکن ہو وہ امریکہ کو جنگ کے عذاب سے چھٹکارا دلائیں کہ امریکہ اب مزید اس مصیبت کو برداشت نہیں کرپائے گا۔ جنگ کا طوفان امریکہ کے لیے کسی بھی حالت میں مزید قابل برداشت نہیں ہے۔ امریکہ کے اہل علم و دانش اور جنگ و جدال سے متعلق حکمت عملی کے ماہرین بھی یہ کہتے نظر آرہے ہیں کہ کوئی صورت سمجھ میں نہیں آرہی ہے امریکہ عراق میں ہونے والی امریکی اقتصادیات و معاشیات کی تباہی سے کس طرح باعزت طور پر خلاصی حاصل کی جاسکتی ہے۔ جہاں اوباما کرسی صدارت پر فائز ہونے سے پہلے ہی اعلان کرچکے ہیں کہ وہ افغانستان میں 20 ہزار فوجی بھیج کر اس جنگ کو جلد از جلد انجام تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ یعنی بزعم خود امریکی پہاڑوں میں امریکی فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑ دینے کے بش والے خواب کو شرمندہ تعبیر کردیں گے۔ امریکی ماہرین دہائی دے رہے ہیں کہ خدا کے واسطے اس جنون سے باز آئیں کہ امریکہ پہلے ہی اس دلدل میں سات سال کے دوران بہت کچھ تباہی و بربادی سے دوچار ہوچکا ہے۔

ایک ریٹائرڈ فوجی کرنل اینڈریو بیس وچ نے جو بوسٹن یونیورسٹی میں تاریخ اور بین الاقوامی تعلقات کے پروفیسر ہیں نیوز ویک میں ایک زبردست مضمون لکھ کر اوباما کو اس خواب سے باز رہنے کی وارننگ دی ہے کہ افغانستان ان کے لیے بہت گھناؤنا گٹر بن جائے گا جس قدر تباہی و بربادی وہاں ہورہی ہے اس کو مزید نہ امریکی افواج برداشت کرپائیں گی اور نہ ہی امریکی حکومت۔ گزشتہ ماہ دی ٹائمز میں میکائل گورڈون نے ایک تجزیہ میں کہا ہے کہ افغانستان نے زبردست وسائل پیدا کردیے ہیں۔ دیہی علاقوں پر مبنی بغاوت، پڑوسی ملک میں دشمن کی پناہ گاہ۔ افغان حکومت کی کمزوری۔ روز بروز بڑھتا منشیات کا کاروبار، غیر ترقی یافتہ ڈھانچہ اور ممنوعہ علاقے۔ امریکی افواج عراق اور افغانستان میں برسوں سے جنگوں میں پھنسی ہوئی ہیں ان پر ایک طرف ترقی و پیش رفت کے لیے دباؤ ہے دوسری طرف آلات اسلحہ جات اور جنگی ساز و سامان ناقابل مرمت حد تک تباہ و برباد ہورہے ہیں۔ بحث تصور کی بھی حدیں پار کرچکا ہے۔

نو منتخب امریکی صدر کا کوئی فوجی بیک گراؤنڈ نہیں ہے جب کہ انہیں اعتدال پسند بھی سمجھا جاتا ہے۔ وہ محسوس کرسکتے ہیں کہ انہیں کچھ سخت موقف اپنانا چاہیے۔ افغانستان میں سخت موقف اپنانے کی ضرورت ہے لیکن سخت موقف کا نتیجہ کیا برآمد ہوگا جب کہ بحیثیت صدر اوباما کمانڈر انچیف بھی ہیں۔ انہیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ بددماغی کے ساتھ فوجی نقصان کراتے رہنے کا وقت گزر چکا ہے۔ ڈوائٹ آئزن ہور کا کہنا ہے میں جنگ سے نفرت کرتا ہوں۔ بحیثیت ایک فوجی سپاہی میں نے اس کی وحشت ناکی، اس کی تباہی، اس کی نادانی اور بے نتیجہ خیزی براہ راست اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ امریکہ کے لیے سب سے اہم اور سرفہرست مسئلہ ایک ایسے ملک کے لیے جو اقتصادی و معاشی تباہی و بربادی کی انتہا پر پہنچ چکا ہے کیا افغانستان کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر قبضہ ہوسکتا ہے؟

باقی صفحہ ۲ پر

بلاتبصرہ

میڈیا کی آزادی کے لیے سرکاری دخل اندازی سے کہیں بڑا خطرہ ٹی آر پی بن گئی ہے جس نے چینلوں کو ایک ایسی اندھی دوڑ میں پھنسا دیا ہے جہاں وہ صحافتی اخلاقی قدروں کو بھی داؤ پر لگانے میں دریغ نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر میڈیا پوری طرح غیر ذمہ دار اور بے لگام ہوجائے تو بھی سرکار کو اسے قابو میں کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ سرکاری حد بندیوں کے تجربات کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ سرکاری غیر ذمے داری اور مطلق العنانی میڈیا کی غیر ذمے داری کی بہ نسبت کہیں زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہے۔

آنند پردھان کے مضمون ''گیند پھر سماچار چینلوں کے پالے میں'' سے ماخوذ۔ ہندوستان، 18 جنوری 2009

ایک عجیب و غریب منطق

ایک رپورٹ (انڈین ایکسپریس 18 جنوری 2009) کے مطابق ملک کے سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ میں ہندوستانی فضائیہ (انڈین ائر فورس) کے ایک جوان انصاری آفتاب احمد کا مقدمہ زیر سماعت ہے، رپورٹ کے مطابق انصاری آفتاب احمد نے انڈین ائرفورس کی پالیسی کی ایک شق پر سوال اٹھایا ہے، واضح رہے کہ انصاری آفتاب احمد نے 2002ء میں آئی اے ایف کو جوائن کیا تھا، اس کے بعد انہوں نے داڑھی رکھ لی جس سے انہیں منع کیا گیا، اور ائرفورس کے ضابطوں کے حوالے سے انہیں اس کی ہدایت دی گئی کہ وہ داڑھی صاف کرلیں۔ ظاہر ہے محکمہ جاتی سطح پر دونوں کے درمیان اس مسئلہ پر تبادلۂ خیال ہوا، لیکن دونوں ایک دوسرے کو مطمئن نہیں کرسکے۔ بالآخر دفتر نے انصاری آفتاب احمد کو اس کا پابند بنانے کی کوشش کی کہ وہ انڈین ائرفورس کے ضابطوں پر عمل کریں اور اس معاملہ میں کسی قسم کا خلا نہ ڈالیں، انصاری آفتاب احمد نے ہر چند اس کی کوشش کی کہ دفتر پر وہ اپنے اس عمل کی حقیقت واضح کریں اور اس کی اہمیت کو اجاگر کریں لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہوسکے، پھر انہوں نے انصاف کا دامن پکڑا اور عدالت سے رجوع کیا، اس وقت یہ مسئلہ عدالت عالیہ میں زیر سماعت ہے، اس میں ایک فریق کے طور پر حکومت ہند کا نمائندہ بھی پیش ہوا ہے، چونکہ مسئلہ کی نوعیت حکومت بنام فرد واحد ہوگئی ہے لہٰذا حکومت ہی مقدمہ کی ایک فریق بن گئی ہے۔ یاد رہے کہ اس طرح کی ایک شکایتی اپیل فضائیہ کے ایک اور جوان محمد زبیر نے بھی پہلے سے عدالت میں داخل کر رکھی ہے۔

حکومت کی طرف سے محکمہ کے اقدام کی تائید کی جارہی ہے اور یہ کہا جارہا ہے کہ انڈین ائر فورس نے جو کارروائی کی ہے وہ درست اور حق بہ جانب ہے۔ سرکاری موقف کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے وکیل کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ انڈین ائرفورس کی طرف سے ضابطے کی جو کارروائی انصاری آفتاب احمد کے خلاف کی گئی ہے وہ طے شدہ اصولوں اور پالیسی کے تحت کی گئی ہے اور ان طے شدہ اصولوں اور پالیسی کا دفاع بھی یہ کہہ کر کیا گیا ہے کہ پالیسی سیکولر بنیادوں پر بنائی گئی ہے۔ لہٰذا اس پر اعتراض درست نہیں ہے، اس میں یہ دلیل دی گئی ہے کہ صرف انہی جوانوں کو داڑھی بڑھانے اور بال نہ تراشوانے کی اجازت دی گئی ہے جن کا مذہب اس کے لیے انہیں پابند بناتا ہے۔ اور اسلام میں داڑھی رکھنا چونکہ لازمی نہیں ہے اس لیے انہیں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ چوں کہ اسلام میں داڑھی رکھنا لازمی نہیں ہے پہلی وجہ ہے کہ بہت سارے مسلمان ایسے موجود ہیں جو داڑھی نہیں رکھتے، یہی نہیں بلکہ داڑھی رکھنا ایک مسلم قاعدہ اور اصول بھی نہیں ہیں، جس پر پوری مسلم دنیا میں اتفاق پایا جاتا ہے اسی معاملے میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے، اس پالیسی کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ فوج کے جوان نہ صرف پوشاک کے معاملے میں یکساں نظر آئیں بلکہ ان کا چہرہ مہرہ دوسری چیزیں بھی ایک جیسی ہوں، اور ان کی اصل پہچان کارکردگی ہونی چاہیے نہ کہ مذہبی شناخت۔ یہ پالیسی جوانوں کو باہم مربوط رکھنے اور منظم زندگی گزارنے کو سامنے رکھ کر بنائی گئی ہے، تاکہ ان میں کسی قسم کی تفریق نہ پیدا ہونے پائے، یہی وجہ ہے کہ مسلم جوانوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

واضح رہے کہ پولیس، نیم فوجی اور فوجی دستوں میں شامل مسلمانوں کو داڑھی رکھنے پر اس طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح کے متعدد معاملات سامنے آچکے ہیں اور کئی مقدمات بھی چل رہے ہیں، عام طور پر اس سلسلے میں جو دلیل دی جاتی ہے وہی ہے جو مذکورہ معاملے میں پیش کی گئی ہے۔ یہاں ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ داڑھی رکھنا مسلمانوں کے لیے فرض عین نہیں ہے۔ لیکن سکھوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، جس طرح سکھوں کے لیے یہ ایک مذہبی پہچان کا درجہ رکھتی ہے اور ایک بار داڑھی رکھ کر منڈانا ان کے یہاں مذہبی نقطۂ نظر سے گناہ ہے، ٹھیک اسی طرح مسلمانوں کے یہاں بھی داڑھی کا بہت اونچا اور بلند مقام ہے، اس کو شعائر میں شامل کیا گیا ہے، یعنی داڑھی اسلامی شعائر میں سے ایک ہے۔ یہ ضرور ہے کہ داڑھی رکھنا ہر مسلمان کے لیے لازم نہیں کیا گیا ہے تاہم اس کی فضیلت اپنی جگہ مسلم ہے، اسی طرح احترام کرنے کا حکم بھی ہے، ایک بار داڑھی رکھ لینے کے بعد جو منڈالے اس کے لیے سخت وعیدیں بھی آئی ہیں، اس کا مذاق و استہزاء کرنے والوں کو بھی سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ لہٰذا اس معاملہ میں دونوں برابر ہیں اور اگر سکھوں کا داڑھی رکھنا برا نہیں ہے اور نہ اس سے فوجی زندگی میں کوئی فرق واقع ہوتا ہے تو مسلمانوں کا داڑھی رکھنا کیوں برا سمجھا جاتا ہے؟ (ش ر)

ایک پیچیدہ مسئلہ زمین پر زندگی کے آغاز کا ہے۔ اس بارے میں اہل فلسفہ تو اسی طرح منقسم نظر آتے ہیں جس طرح وہ کائنات کی تشکیل یا تخلیق کے بارے میں تھے۔ ان کے خیالات کا جدید معاشروں پر کوئی خاص اثر اب نظر نہیں آتا۔ البتہ جدید دور میں سائنس اور علم حیاتیات سے تعلق رکھنے والے وہ لوگ جو ایک خدا کو ماننے کو تیار نہیں، یہ رائے رکھتے ہیں کہ زندگی کا آغاز زمین پر تقریباً تین ارب سال قبل اتفاقاً پیدا ہوجانے والے موزوں ماحول اور حالات میں، زمین پر موجود مختلف عناصر، مثلاً آبی بخارات، امونیا، میتھین، ہائیڈروجن اور بلند درجۂ حرارت کے اتفاقاً ملاپ کے نتیجے میں پہلے ایک امینو ترشہ (Amino Acid)، پھر پروٹین اور اس سے ایک خلیہ (Cell) کے تشکیل پانے سے ہوا۔ اس رائے کو ایک سائنسی نظریے کے طور پر پیش کرنے والے ہیرالڈ یورے (Herald C.Urey) (۱۸۹۳ـ۱۹۸۱ء) اور اسٹینلے ملر (Stanley Miller) (۱۹۳۰ء ـ ۲۰۰۷ء) تھے۔ ۱۹۵۳ء میں اپنی لیباریٹری میں ایک تجربے کے بعد ملر نے دعویٰ کیا کہ اس نے کچھ امینو ترشے، جو کہ ایک خلیے کی تشکیل کے لئے ضروری پروٹین بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، مصنوعی طور پر پیدا کئے ہیں۔ گویا اس کا کہنا تھا کہ زندگی کی اتفاقاً تشکیل سے متعلق نظریہ سائنسی طور پر بھی ثابت ہوگیا ہے۔

اس سے قبل ایک انگریز ماہر حیاتیات چارلس ڈارون (۱۸۰۹ـ۱۸۸۲ء) اور ایک انگریز ماہر عمرانیات اور فلسفی ڈاکٹر ہربرٹ اسپنسر (۱۸۲۰ـ۱۹۰۳ء) زمین پر زندگی کی تخلیق سے متعلق اپنا نظریۂ ارتقاء پیش کرچکے تھے۔ اس نظریے کے مطابق زندگی کی ان گنت انواع میں جو تنوع پایا جاتا ہے وہ ایک طویل ارتقائی عمل کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ تمام زندہ مخلوقات مشترکہ آباء واجداد سے پیدا ہوئی ہیں مثلاً تمام پودے اور تمام جاندار تقریباً تین ارب سال قبل خود بخود پیدا ہونے والے بیکٹیریا سے ملتے جلتے زندہ نامیاتی سالموں (micro oragnisms) کے ارتقاء کے نتیجے میں تشکیل پائے ہیں۔ دودھیل (ممالیہ) جانور، پرندے، رینگنے والے جانور، خشکی اور تری پر یکساں رہنے والے جانور اور مچھلیاں ساٹھ کروڑ سال قبل پانی میں رہنے والے نرم لجلجے کیڑوں (worms) سے ارتقاء کے نتیجے میں بنے ہیں اور انسانوں اور دیگر دودھیل جانوروں کا جدامجد چوہے سے ملتا جلتا جانور (Shrew) ہے، جو پندرہ کروڑ سال قبل بھی زمین پر موجود تھا اور موجودہ ترقی یافتہ انسان کے آباء واجداد بندر ہیں جن سے وہ ارتقائی مراحل طے کرکے تقریباً دو لاکھ اور ایک لاکھ سال قبل کے دورانیے میں الگ نوع بن گیا۔

کائنات سے ماورا ایک خدا کے بغیر، زمین پر زندگی کے آغاز سے متعلق یہ نظریات اور بالائی کائنات کی تشکیل سے متعلق فلسفیوں اور سائنسدانوں کے نظریات، کچھ دوسرے ماہرین کی مخالفت کے باوجود اور اس حقیقت کے باوجود کہ یہ نظریات ابھی تک سائنسی حلقوں میں متنازعہ ہیں، دنیا کے اکثر ممالک میں باقاعدہ سائنس کے طور پر پڑھائے جارہے ہیں اور ذرائع ابلاغ پر مؤثر اختیار کو استعمال کرتے ہوئے بڑی شدومد سے ان کا پرچار کیا جارہا ہے جس کی وجہ سے اگرچہ اب تک مذاہب کے موروثی اور معاشرتی اثرات کے سبب دنیا کے اکثر لوگ خدا کے وجود سے انکاری تو نہیں ہوئے لیکن خدا، وحی، مذہبی ضوابط اور حیات بعدالموت سے متعلق ان کے عقائد نہ صرف کمزور پڑ چکے ہیں بلکہ خدا اور مذہب سے ان کی لاتعلقی اور بیزاری میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ اور یہی ان لوگوں کا ہدف ہے جو مادہ پرست ہیں۔ یہ افراد اکثر معاشروں میں حکومتوں اور ذرائع ابلاغ پر اختیار رکھتے ہیں، خدا اور اس کے سچے رسول کی ہدایات کو اپنی شخصی آزادیوں کے لئے خطرہ سمجھتے ہیں اور اپنے منصوبوں کو لبرلزم اور سیکولرزم جیسے نسبتاً نرم الفاظ میں پیش کررہے ہیں۔

آیئے جائزہ لیں کہ زندگی کے آغاز سے متعلق مندرجہ بالا نظریات کی اصلیت کیا ہے؟ زمین پر زندگی کے اتفاقاً آغاز کا نظریہ اس مفروضے پر انحصار کرتا ہے کہ ایک خلیہ یا

زندگی کا آغاز

محمد فاروق ناطق

اس کا ابتدائی حصہ تقریباً تین ارب سال قبل موزوں ماحول اور حالات کے اچانک پیدا ہونے کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا جس نے بعد کے ادوار میں اتفاقاً خود بخود دستیاب ہوتے چلے جانے والے موزوں اور مناسب ماحول میں ارتقائی مراحل طے کئے اور انواع کی موجودہ شکلوں تک ترقی کرلی۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام نباتات، حیوانات اور انسانوں کے اجسام کروڑوں، اربوں خلیات پر مشتمل ہیں۔ ایک اوسط انسانی جسم میں دوسو اقسام کے تقریباً ۷۵ کھرب سے ایک ہزار کھرب تک خلیے ہوتے ہیں۔ ایک خلیہ خواہ انسانی ہو، حیوانی یا نباتاتی، ایک عظیم اور حیرت انگیز ڈیزائن رکھتا ہے۔ اپنی عمل شکل میں ایک خلیہ کسی شہر سے کم پیچیدہ نہیں ہے۔ اس میں (Ribonucleic Acid)، ڈی این اے (Deoxyribonucleic Acid)، جین (gene) وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر خلیے میں بیس امینو ترشے ہوتے ہیں جو آپس میں زنجیر کی شکل میں مل کر پروٹینی سالمات تشکیل دیتے ہیں۔ انہی بیس امینو ترشوں میں نسبت وتناسب کی تبدیلی سے بڑی تعداد میں پروٹین کی اقسام بنتی ہیں۔ فرض کریں ۲۸۸ امینو ترشوں پر مشتمل ایک اوسط حجم کا پروٹینی سالمہ بنانا درکار ہو تو ان بیس امینو ترشوں میں نسبت وتناسب کی تبدیلی سے پروٹین کی امینو ترشوں کی زنجیروں کی اتنی بڑی تعداد میں سے صرف ایک زنجیر، ایک خلیے کے جسم کے ہر ہر عضو کے لئے الگ الگ جین ہوتے ہیں جو ایک مادہ اور ایک نر کے کروموسوم کے ملاپ کے نتیجے میں تشکیل پاتے ہیں۔ دو ایکس کروموسوم مل کر ایک نوع میں مادہ اور ایک ایکس اور ایک وائی کروموسوم مل کر ایک نر کی پیدائش کا باعث بنتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ امینو ترشے ہمیشہ ایک ہی طرح کا اتفاق کرتے ہوئے ایک ہی طرح کی پروٹین بنائیں جو خلیے کی تعمیر میں مطلوب ہو اور ہمیشہ ایک ہی جیسی اور مطلوبہ تعداد میں اینٹیں یا بلاک تیار کریں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ جینیاتی کوڈ کے اربوں حروف میں سے مطلوبہ حروف ہمیشہ اس طرح اتفاقاً ملیں کہ وہ مطلوبہ اعضاء تشکیل دیں جو ایک متعین ڈیزائن کے مطابق ایک جسم کی بناوٹ میں حصہ لیں؟ سب سے بڑی بات

> کیا یہ ممکن ہے کہ جینیاتی کوڈ کے اربوں حروف میں سے مطلوبہ حروف ہمیشہ اس طرح اتفاقاً ملیں کہ وہ مطلوبہ اعضاء تشکیل دیں جو ایک متعین ڈیزائن کے مطابق ایک جسم کی بناوٹ میں حصہ لیں؟ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کیا ان امینو ترشوں، پروٹین، ڈی این اے، آر این اے اور جین کی تعداد اور حرکات کے پیچھے کوئی قوت محرکہ ہے یا نہیں، جبکہ خود منطق اور سائنس دونوں علمی اور عملی طور پر تقاضا کرتے ہیں کہ ہر عمل کے پیچھے ایک قوت محرکہ ہونی چاہئے۔؟

توانائی پیدا کرنے والے مراکز بھی ہیں جسے خلیہ اپنے عمل کے لئے استعمال کرتا ہے۔ زندگی کے لئے مرکزی کردار ادا کرنے والے خامرے اور ہارمون تیار کرنے والی فیکٹریاں بھی ہیں، معلومات کا ذخیرہ (databank) جہاں خلیے میں بننے والی پیداوار کا ریکارڈ جمع ہوتا ہے۔ ایسی فیکٹریاں اور ریفائنریاں ہیں جو خام مال تیار کرتی ہیں اور مواصلاتی نظام اور خام اور تیار مال کی گزرگاہیں ہیں اور خاص طرز کی پروٹین سے بنی ہوئی خلوی جھلی ہے جو خلیے میں اندر آنے اور باہر جانے والے مادوں کو کنٹرول کرتی ہے۔

ایک خلیہ امینو ترشوں (amino acids)، خامروں یا پروٹین (enzymes)، آر این اے لئے مطلوب پروٹین بناتی ہے۔ ان امینو ترشوں کی کتنی تعداد ایک مطلوبہ پروٹینی زنجیر بنانے کے لئے درکار ہے۔ اس بات کا تعین ڈی این اے میں موجود ان معلومات کی بنا پر ہوتا ہے جو چار خاص بنیادوں یا حروف (اب ان کو a.i.g.c، یعنی ان کے ناموں کے ابتدائی حروف سے پکارا جاتا ہے) کی خفیہ صورت میں محفوظ ہوتی ہیں۔ ان حروف کی ترتیب میں جو فرق ہوتا ہے وہی، اگر انسانی خلیے کا ذکر کریں، انسانوں کی جسمانی ساخت میں ہوتا ہے۔ ان معلومات کو جینیاتی کوڈ (genetic code) کہا جاتا ہے جن کی تعداد ایک ڈی این اے سالمے کے اندر تقریباً ساڑھے تین ارب تک ہوسکتی ہے، جبکہ یہ تعداد ہر جین میں مختلف ہوتی ہے۔

یہ ہے کہ کیا ان امینو ترشوں، پروٹین، ڈی این اے، آر این اے اور جین کی تعداد اور حرکات کے پیچھے کوئی قوت محرکہ ہے یا نہیں، جبکہ خود منطق اور سائنس دونوں علمی اور عملی طور پر تقاضا کرتے ہیں کہ ہر عمل کے پیچھے ایک قوت محرکہ ہونی چاہئے۔؟

یورے اور ملر کے تجربہ گاہ میں کئے گئے تجربے سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ امینو ترشے ایک نہایت منضبط لیباریٹری میں قابو یافتہ طریقے سے بنائے گئے نہ کہ اتفاقاً یا خود بخود بن گئے۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ اگر ملر ان تیار شدہ امینو ترشوں کو لیباریٹری میں موجود کیمیائی ماحول سے فوراً الگ نہ کرلیتا تو وہ تباہ ہوجاتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی لیباریٹری کا ماحول اس کے فرض کردہ زمین کے ابتدائی ماحول سے بالکل مختلف تھا اور اس کا اعتراف ملر نے خود بھی کیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کچھ بے شعور خلیے اور جین خود بخود یا اتفاقاً فیصلہ کرلیں کہ ایک خوبصورت آنکھ بلکہ آنکھوں کی ایک جوڑی، ایک طویل قامت، دانتوں کا خوشنما دکھائی دینے والا سیٹ، یا ایک ستواں ناک کس طرح کے دوسرے جسمانی اعضاء کے ساتھ مناسب لگے گی یا وہ خود یہ فیصلہ کرلیں کہ انسانی یا حیوانی اجسام میں جینیاتی خوبیاں ہمیشہ ایک زبردست تناسب اختیار کرتے ہوئے ایک متناسب اور انتہائی نتیجہ خیز وجود کی تشکیل کریں اور اس میں کبھی غلطی نہ کریں، جبکہ اتفاقات میں تو غلطی کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ انسانی نسلوں کے متنوع پھیلاؤ کا باعث ایکس (x) اور وائی (y) کروموسوم کہے جاتے ہیں۔ خلیے یا جین یہ فیصلہ کیسے کرلیتے ہیں کہ زمین پر انسانی آبادی میں مردوں اور عورتوں کی تعداد ہمیشہ متناسب رہے تاکہ ایک کے لئے دوسرے کی تلاش مسئلہ نہ بنے۔ زمین پر موجود زندگی کی کروڑوں انواع کی پیدائش اور ان کے وقت مقررہ پر خاتمے کا فیصلہ خلیوں میں موجود جین کیونکر اس طرح سے کرسکتے ہیں کہ ان تمام ہی انواع کی تعداد ایک حد کے اندر محدود رہے۔ ایک خلیے یا ایک جین کے لئے کس طرح ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ ہواؤں اور پرندوں کے ذریعے منتقل ہونے والے ہر نوع کے پولن میں سے صرف مطلوبہ پولن ہی کو بارآوری کے لئے چن لے اور ہمیشہ اتفاقاً وہی پھول یا پھل اور بیج پیدا کرے اور کبھی اس میں غلطی نہ کرے۔ ان بے شعور عناصر کے اندر یہ شعوری حرکات کہاں سے آئی ہیں؟ یہی سوال اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ الواقعہ میں کیا ہے:

”ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر کیوں تصدیق نہیں کرتے؟ کبھی تم نے غور کیا، یہ نطفہ جو تم ڈالتے ہو، اس سے بچہ تم بناتے ہو یا اس کے بنانے والے ہم ہیں؟ ہم نے تمہارے درمیان موت کو تقسیم کیا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری شکل بدل دیں اور کسی ایسی شکل میں تمہیں پیدا کردیں جس کو تم نہیں جانتے۔ اپنی پہلی پیدائش کو تو تم جانتے ہی ہو پھر سبق کیوں نہیں لیتے؟ کبھی تم نے سوچا، یہ بیج جو تم ڈالتے ہو، ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو ان کھیتیوں کو بھس بنا کر رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم پر تو الٹی چٹی پڑ گئی، بلکہ ہمارے تو نصیب ہی پھوٹے ہوئے ہیں۔ کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا، یہ پانی جو تم پیتے ہو، اسے بادل سے تم نے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو اسے سخت کھارا بنا کر رکھ دیں، پھر تم شکرگزار کیوں نہیں ہوتے؟ کبھی تم نے خیال کیا، یہ آگ جو تم سلگاتے، اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے، یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ہم نے اس کو یاد دہانی کا ذریعہ اور حاجت مندوں کے لئے سامانِ زیست بنایا ہے۔ (الواقعہ ۵۶: ۵۷ـ۷۳)

سوال یہ ہے کہ ان خلیات اور جینز کی حرکات اور تعامل کے پیچھے قوت متحرکہ اگر انسان نہیں ہے (اور یقیناً نہیں ہے) تو پھر وہ خدا کے سوا کون ہوسکتا ہے؟ ان بے شعور خلیات میں تو اب تک کوئی ایسی قوت دریافت نہیں ہوئی جو ان کے باہمی ملاپ سے تشکیل پانے والے ایک انسانی یا حیوانی وجود میں ’زندگی‘ کی آمد کا باعث ہو (سائنس کی زبان میں ’زندگی‘ سے مراد کسی مادی وجود کے اندر نظام ہضم، نظام نشوونما، اپنی نوع کی افزائش اور بقاء کے لئے جدوجہد کی صلاحیت ہے)۔ علم حیاتیات یہ بتانے سے بھی قاصر ہے کہ تمام انواع کے اندر موجود جین میں وہ تحریریں جنہیں رمزی حروف (Genetic codes) کہا جاتا ہے، کہاں سے آئے ہیں اور ان کا آپس کا تعامل کیونکر اتنا حیرت انگیز اور نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس بحث کو سورۂ فرقان کی ان آیات میں سمیٹ دیا ہے جو ہم سب کے لئے باعث غور وفکر ہے:

”نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لئے خبردار کردینے والا ہو۔ وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے، جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر (مقدار یا اندازہ) مقرر کی۔ (الفرقان ۲۵: ۱ـ۲)

●●

تدوین حدیث

عبدالرشید عراقی

پہلی صدی ہجری کے اختتام تک اسلام عرب سے باہر عجم کے بہت سے ملکوں پر حکمراں تھا۔ لوگ بکثرت دین اسلام میں داخل ہورہے تھے۔ نئے مسائل اور نئے حالات سے مسلمانوں کو سابقہ تھا، اس وقت فوری ضرورت تھی کہ حدیث وسنت کے سرمایہ کو جو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ سے منتقل ہوتا چلا آرہا تھا، مدون کیا جائے اور جو علم محدثین کرام کے سینوں اور منتشر صحیفوں میں محفوظ تھا، اس کی حفاظت کی جائے۔ ادھر وہ مبارک ہستیاں جنھوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنی تھیں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان کے وجود سے بزم عالم خالی ہورہی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اموئیؒ ۹۹ھ میں منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ ان کی ذات سراپا اسلام کا اعجاز تھی، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ روافض، خوارج اور قدریہ وغیرہ نئے نئے فرقے سر اٹھا رہے ہیں، جو دین اسلام کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں، اس لئے حدیث وسنت کی باقاعدہ تدوین کی ضرورت ہے۔

چنانچہ حضرت عمر عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی ابوبکر بن حزم انصاریؒ (۱۲۰ھ) کو جو بہت بلند پایہ محدث تھے اور ان کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے، حدیث کی تدوین کی طرف توجہ دلائی اور ان کو لکھا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں تم کو ملیں، ان کو تحریری شکل میں لے آؤ، اس لئے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ علم مٹ جائے گا اور علماء رخصت ہوجائیں گے“۔ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم)

گورنر مدینہ کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی حکومت کے دوسرے گورنروں کے نام بھی سرکلر جاری کیا۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی اپنی تاریخ اصفہان میں لکھتے ہیں:

”عمر بن عبدالعزیزؒ نے دور دور ملکوں کو یہ حکم بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو تلاش کرکے جمع کرو“۔ (مقدمہ تعلیق المجد از مولانا عبدالحئیؒ لکھنویؒ، صفحہ ۱۴)

چنانچہ تمام گورنروں اور علمائے کرام نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس فرمان کی تعمیل کی۔ حافظ ابن عبدالبر قرطبیؒ (۴۶۳ھ) نے اپنی کتاب ”جامع بیان العلم وفضلہ“ میں امام ابن شہاب زہریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: ”ہم کو عمر بن عبدالعزیزؒ نے سنن کے جمع کرنے کا حکم دیا اور ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے۔ پھر انھوں نے ہر اس زمین میں جہاں ان کی حکومت تھی، ایک دفتر بھیج دیا“۔

منکرین حدیث کی طرف سے یہ اعتراض کہ حدیث کی تدوین کا کام زمانہ نبویؐ سے ڈیڑھ سو برس بعد ہوا، مخالفت برائے مخالفت کے اصول پر مبنی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) اپنے ایک مکتوب بنام مولانا عبدالماجد دریابادیؒ میں تحریر فرماتے ہیں: ”مسلمانوں کے اس فقرے کے معنی کہ حدیث کی تدوین ہجرت کے ڈیڑھ سو برس بعد ہوئی، اس کا مقصد یہ ہے کہ تصنیف وتالیف اور کتاب کی حیثیت میں ورنہ محض کتابت کی حیثیت سے زمانہ نبویؐ ہی میں اس کی جمع وتحریر کا آغاز ہوچکا تھا“۔ (مکتوبات سلیمانی صفحہ ۱۴۲، مکتوب نمبر ۸۱) مولانا محمد اسحاق سندیلوی سابق استاد تفسیر ندوۃ العلماء لکھنؤ مصنف ”اسلام کا سیاسی نظام“ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: ”تحقیق یہ ہے کہ تدوین حدیث کا کام خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے شروع ہوچکا تھا۔ خلفائے راشدین کے دور میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا، جس میں یہ سلسلہ کلیتاً منقطع ہوگیا ہو“۔

(ماہنامہ الفرقان، ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ، ص ۳۷)

مولانا عبدالسلام ندوی (م ۱۹۵۶ء) سابق رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ لکھتے ہیں: ”صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں فن حدیث مدون ہوچکا تھا اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہی اجزاء کو ایک مجموعے کی شکل میں جمع کیا“۔ (اسوۂ صحابہ کرامؓ، جلد ۲، صفحہ ۳۱۰) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا کام کتابت حدیث کا آغاز کرنا نہیں تھا، بلکہ تحریری اور زبانی روایات کو تلاش کرکے تمام ممالک اسلامیہ کے حدیثی ذخیرہ کو یکجا کرنا تھا اور تدوین حدیث کا جو کام اب تک انفرادی اور شخصی طور پر ہورہا تھا، اس کو قومی اور ملی پیمانے پر کرنا تھا۔

جامعین حدیث

آنحضرتؐ کی حیات طیبہ میں صحابہ کرامؓ نے احادیث کو قلمبند کیا، ان کی تفصیل مولانا رحمت اللہ رحمانی (م ۱۹۹۱ء) کے بیان کے مطابق درج ذیل ہے:

حضرت انس بن مالکؓ	۱۲۸۶
حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ	۲۰۰۰
حضرت ابوہریرہؓ	۵۳۷۴
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۶۶۰
حضرت علی بن ابی طالبؓ	۵۸۰۶
میزان	۱۵۹۰۹

کثیرالروایات صحابہ کرامؓ (کتابت حدیث، ص ۵۴، مطبوعہ دہلی)

تعداد	تعداد روایات
حضرت ابوہریرہؓ	۵۳۷۴
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۶۶۰
حضرت عائشہ صدیقہؓ	۲۲۱۰
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۶۲۰
حضرت جابر بن عبداللہؓ	۱۵۶۰
حضرت انس بن مالکؓ	۱۲۸۶
حضرت ابوسعید خدریؓ	۱۱۷۰

(خطبات مدراس، صفحہ ۳۵)

اسلام میں حسنِ اخلاق کی اہمیت

حافظ عاکف سعید

حقوق کے معاملے میں سب سے بڑا حق تو اللہ تعالیٰ کا ہے کہ ہم اس کی معرفت حاصل کریں اور اس کی بندگی بجا لائیں۔ اس نے یہ زندگی ہمیں بطور امتحان عطا کی ہے اور ہمیں آزادی واختیار بھی دے دیا ہے کہ چاہیں تو اس کے شکرگزار بندے بنیں، اس کی بندگی کریں اور چاہیں تو ناشکری کریں۔ اس امتحان میں کامیاب وہی ہوگا جس نے اللہ کو پہچانا اور اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کی اور جس نے اللہ سے منہ موڑ لیا اور اپنے نفس کی بندگی کی وہ ناکام ونامراد ہوگا۔ اللہ کسی کو زبردستی شاہراہ بندگی پر نہیں لاتا۔ انسان کو اختیار ہے، جو چاہے کرے۔ وہ اگر نیکی کے راستے کو اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لئے آسان بنا دے گا اور اگر برائی سرکشی، اور نافرمانی کی راہ چلے گا تو اللہ اسی راستے کو کھولتا چلا جائے گا، تاہم یہ بھی بتادیا کہ اس اختیار کے غلط استعمال کرنے کا نتیجہ تباہ کن ہوگا۔ جس نے اس اختیار کو صحیح استعمال کیا، اللہ تعالیٰ کی توحید کی معرفت حاصل کی، اس کی بندگی کو شعار بنایا، اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کی، وہ تو کامیاب ہوگا، مگر جس نے اللہ کی توحید کا انکار کیا، اس کی ناشکری کی، اللہ کی بندگی کی بجائے اپنے نفس اور شیطان کی پیروی کی، ناکامی اس کا مقدر ٹھہرے گی۔ تو اللہ کا حق (یعنی اس پر ایمان، اس کی توحید کا اقرار، اس کی بندگی) یہی وہ اصل اور بنیاد ہے، جس سے انسان کے اندر خیر اور بھلائی کے رجحانات کو تقویت ملتی ہے، لیکن اسلام نے جہاں اس پر زور دیا ہے، وہاں حقوق العباد، انسانوں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن اخلاق کی بھی بڑی تاکید کی ہے۔ حسن اخلاق کا معاملہ بھی درحقیقت حقوق العباد کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اس لئے کہ ایک شخص کی خوش اخلاقی یا بدخلقی کا اندازہ بھی اس کے دوسروں کے ساتھ رویہ اور معاملات سے لگایا جاسکتا ہے۔ ایک شخص معاشرے سے دور کہیں جنگل میں ہو اور اس کا لوگوں سے کوئی واسطہ اور معاملہ نہ ہو تو یہ معلوم نہیں ہوسکے گا کہ وہ بداخلاق ہے یا خوش اخلاق، اس کا رویہ اور معاملہ درست ہے یا غلط۔ ہمارے دین میں حقوق العباد کو حد درجہ اہمیت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوئی کوتاہی ہوگئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ شرک کے ظلم عظیم کے سوا جسے چاہے گا معاف بھی کردے گا: ”اللہ تبارک وتعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کردے اور جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک مقرر کیا اس نے بڑا بہتان باندھا“۔ (النساء: ۴۸)

لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں کے حق میں ہونے والی کوتاہی اور زیادتی کو معاف نہیں فرمائے گا، جب تک کہ وہ شخص جس کا حق غصب کیا گیا ہو، خود معاف نہ کردے۔ اچھے اخلاق کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایک شخص حسن اخلاق کی وجہ سے وہ بلند مقام حاصل کرلیتا ہے جو اس شخص کا ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اور (راتوں کو عبادت میں) کھڑا رہتا ہے“۔

اندازہ کیجئے، کتنا بلند مقام ہے خوش اخلاقی کا کہ اس کی بدولت، آدمی کو اتنا بلند روحانی مقام حاصل ہوجاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ خوش خلقی جس کی اس قدر قدرومنزلت ہے، اس سے مراد کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب محض یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ مسکرا کر گفتگو کی جائے اور بس، جیسا کہ آج کل ہمارے ہاں کمرشیل اداروں میں ہوتا ہے۔ اس کا جواب نفی میں ہے۔ یقیناً مسکراہٹ اور خندہ روئی کے ساتھ پیش آنا بھی نیکی اور صدقہ ہے۔ اس سے دوسرے آدمی کو خوشی ہوتی ہے۔ یہ خوش اخلاقی کا ایک حصہ تو ہے، لیکن یہ کل خوش خلقی یا اخلاق نہیں ہے۔ خوش اخلاقی وہ مجموعی اچھا رویہ ہے، جو افراد معاشرے کے ساتھ ہم اپناتے ہیں اور جسے نہ صرف دوسرے لوگ بھی پسند کرتے ہیں بلکہ خود یہ رویہ اپنانے والے کو بھی اس سے خوشی ہوتی ہے۔ انسانی فطرت بھی اس رویہ کو قبول اور پسند کرتی ہے۔

حسن اخلاق انسان میں بلندی اور رفعت کے جذبات کا مظہر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان میں پستی کے رجحانات بھی پائے جاتے ہیں، جنھیں رذائل اخلاق کہا جاتا ہے۔ یہ دراصل حیوانی جذبات ہیں۔ چنانچہ جس طرح حیوانوں میں کینہ ہوتا ہے، انسان کے اندر بھی کینہ ہے۔ حیوانوں کی طرح انسان میں بھی انتقامی جذبہ اور غصہ ہوتا ہے۔ اسے اشتعال دلایا جائے تو وہ مشتعل ہوجاتا ہے۔ یہ چیزیں اخلاقی بلندی کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور بدخلقی کے ذیل میں آتی ہیں۔ ضروری ہے کہ ان پر کنٹرول کیا جائے۔ غصہ، انتقام، عداوت، تکبر کے جذبات پر قابو پایا جائے اور تحمل وبرداشت اور عاجزی وانکساری کو شعار بنایا جائے۔ اگر آدمی ایسا کرے گا تو اس کے نفس کی تہذیب ہوگی، اس کے اخلاق سنوریں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا بھی محبوب بندہ بن جائے گا اور خلق خدا بھی اس سے محبت کرنے لگے گی۔ اس کے برعکس جو شخص بداخلاقی یا رذائل اخلاق کا مظاہرہ کرے گا، وہ خدا کی نظر میں بھی ناپسندیدہ ہوگا اور مخلوق خدا بھی اسے بری نگاہ سے دیکھے گی۔ مثال کے طور پر تکبر اور انکساری دو صفتیں ہیں۔ ایک بدخلقی ہے اور دوسری اعلیٰ اخلاق صفت۔ جو شخص تکبر کرے گا، اپنے علم پر، اپنے مال پر، اپنے حسن پر، اپنی طاقت پر، اپنے زور بازو پر، دیکھنے والے اس کے بارے میں کبھی اچھی رائے قائم نہیں کریں گے اور اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اسے ناپسند کرے گا۔ حدیث میں ایسے آدمی کے متعلق یہ وعید آئی ہے کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس معاملہ تواضع کا ہے۔ اگر ایک آدمی تواضع، عاجزی اور فروتنی اختیار کرتا ہے تو یہ چیز اس کے حسن اخلاق کا مظہر ہے۔ ایسے شخص کو لوگ بھی پسند کریں گے اور اللہ تبارک وتعالیٰ بھی۔ لوگ اس کی دل سے قدر کریں گے۔ اس سے ملنا جلنا اور راہ ورسم رکھنا انہیں اچھا لگے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پورے شعور سے حسن اخلاق کو اختیار کریں اور بدخلقی سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اسی میں ہماری خیر وبھلائی اور معاشرت کا حسن ہے۔ حسن اخلاق کی فضیلت واہمیت کے بارے میں کئی احادیث آئی ہیں۔ ایک حدیث ملاحظہ کیجئے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے تم میں سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن نشست کے اعتبار سے سب سے قریب وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں گے“۔

دیکھئے، ہمارے دین میں کس قدر اخلاق فاضلہ کی اہمیت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ترغیب وتشویش کا انداز اختیار فرمایا اور ہمیں یہ تعلیم دی کہ ہم اچھے اخلاق کو اپنائیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور یوم قیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت کا باعث ہوں گے اور بداخلاقی اور رذائل اخلاق کی گندگی سے اپنے آپ کو بچائیں۔ چنانچہ اسی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اور قیامت ہی کے دن تم میں سے وہ شخص مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور مجھ سے دور ہوگا جو باتونی، فضول گو، تصنع کرنے والا اور تکبر واکڑ کے ساتھ کلام کرنے والا اور متکبر ہوگا“۔ (رواہ الترمذی)

گویا حسن اخلاق کے مقابلے میں سوئے اخلاق کا سب سے نمایاں مظہر یہی تکبر ہے۔ تکبر ایسی بیماری ہے جو انسان کو اندر ہی اندر کھا جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو بڑی شئے سمجھتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ اس کے تکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں بھی رسوا کرتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے لئے سخت سزا ہوگی۔ حدیث میں آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ شخص ہرگز جنت میں داخل نہ ہوسکے گا جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبر ہوگا“۔

(مرتب: محبوب الحق عاجز)

دعوت

۲۲؍جنوری ۲۰۰۹ء

اوراب امریکہ کا مشورہ

برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ کے بعد اب رخصت ہونے والی خاتون امریکی وزیر خارجہ نے بھی ہندوستان کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ پاکستان کے معاملے میں 'فراخ دلی' کا ثبوت دے۔ انھوں نے بحیثیت امریکی وزیر خارجہ اپنے ہندوستانی ہم منصب مسٹر پرنب مکھرجی کے ساتھ آخری الوداعی ٹیلیفون بات چیت میں یہ صلاح دی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ انھوں نے مسٹر مکھرجی سے یہ کہا ہے کہ ان کے خیال میں ممبئی حملے کے سلسلے میں پاکستان کے مبینہ رول پر ہندوستانی لیڈروں کی طرف سے جو تبصرے کئے گئے ہیں وہ قدرے تلخ ہیں۔ ان کے لہجے میں نرمی آنی چاہئے، اس سے چھان بین کو آگے بڑھانے اور اسے منطقی انجام تک پہنچانے میں مدد ملے گی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے مسٹر مکھرجی کو اس سے بھی آگاہ کیا کہ امریکہ اس سلسلے میں کیا کر رہا ہے، اس نے پاکستان سے کیا کچھ کہا ہے اور اب تک کی پیش قدمی سے بھی انھوں نے اپنے ہندوستانی ہم منصب کو واقف کرایا ہے نیز ان سے یہ بھی کہا ہے کہ پاکستان نے اس سلسلے میں کیا کیا قدم اٹھائے ہیں۔ باور کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اس پر اپنے اطمینان کا اظہار بھی کیا ہے اور اسی بنا پر ہندوستان کو یہ مشورہ دیا ہے کہ اسے صبر سے کام لینا چاہئے اور تھوڑا اور انتظار کرنا چاہئے۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ پاکستان پر اس معاملے میں عالمی برادری کی طرف سے جو دباؤ پڑا ہے اس کے مثبت اثرات ظاہر ہونے لگے ہیں۔ پاکستان کی سوچ بدلی ہے اور اس نے زبانی جمع خرچ سے آگے بڑھ کر کچھ 'ٹھوس' قدم اٹھائے ہیں۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر اس معاملے میں تحمل سے کام نہ لیا گیا اور تیز و تند بیانات اور تبصروں سے پرہیز نہیں کیا گیا تو معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے اور مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ بڑا نازک اور انتہائی پیچیدہ ہے اور پاکستان کے لئے مشکلیں پیدا ہو جائیں گی۔ دوسرے لفظوں میں انھوں نے یہ کہا ہے کہ پاکستان تعاون کا ہاتھ کھینچ لے گا اور پھر امریکہ کے لئے بھی اس کو دوبارہ آمادہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ انھوں نے یہ درخواست اس تناظر میں کی ہے کہ امریکہ میں انتقال اقتدار کا مرحلہ آسانی سے طے ہو جائے اور نئی امریکی انتظامیہ کو سر منڈاتے ہی اولے پڑے جیسی صورتحال کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس لئے کہ یہ باتیں بھی کہی جا رہی ہیں کہ امریکہ کو بھی دہشت گردی کا خطرہ لاحق ہے۔

یاد رہے کہ اس سے چند ہی روز پہلے برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ نے بھی ہندوستان کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اسے 'بے چینی' کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ پاکستان نے جو قدم اٹھائے ہیں وہ 'تسلی بخش' ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے ممبئی حملوں کی چھان بین میں تعاون کرنے کے عالمی برادری کے مطالبے کو اہمیت دیتے ہوئے اس سلسلے میں 'ٹھوس' قدم بھی اٹھائے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ پاکستان کا عدالتی نظام آزاد و خودمختار اور غیر جانبدار ہے لہٰذا اس پر بھی بھروسہ رکھنا چاہئے گویا دوسرے لفظوں میں انھوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ ممبئی حملوں میں ملوث پاکستانی عناصر کے خلاف قانونی کارروائی پاکستان میں ہی ہونی چاہئے۔ انہیں پاکستانی عدالت جو سزا دے گی وہ قانون کے تقاضوں کے عین مطابق ہوگی۔ انہیں یعنی ان ملزموں کو ہندوستان کے حوالے کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ برطانوی وزیر خارجہ کے یہ خیالات کیا کچھ کم اہم تھے کہ انھوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ دہشت گردی کے مسئلے کا کشمیر سے بڑا گہرا ربط ہے۔ اس لئے مسئلہ کشمیر کو حل کرنا ان کے خیال میں نہایت ضروری ہے۔ اگر اس مسئلے کو حل کر لیا جائے تو انہیں قوی امید ہے کہ پاکستان سے دہشت گردی کا خاتمہ ہو جائے گا اور دہشت گردی کے جو اسباب پائے جاتے ہیں وہ دور ہو جائیں گے۔ برطانوی وزیر خارجہ نے یہ بیان دے کر مسئلہ کی نوعیت کو ہی بالکل تبدیل کر کے رکھ دیا بلکہ اسے مزید پیچیدہ بنا دیا۔ اس لئے کہ انھوں نے اس کو مسئلہ کشمیر سے جوڑ دیا۔ واضح رہے کہ امریکی صدر بارک اوبامہ کے بھی کشمیر کے سلسلے میں جو خیالات ہیں وہ پریشان کن ہیں۔ ایسی صورت میں برطانیہ اور امریکہ سے رجوع کرنا اور عالمی برادری سے پاکستان پر دباؤ ڈالنے کا مطالبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک تیسری طاقت کو اس معاملے میں مداخلت کی دعوت دی جا رہی ہے۔ پاکستان پر دباؤ ڈالنے کا مطالبہ کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے لیکن یہ ضرور یاد رکھنا چاہئے کہ جو بھی تیسری طاقت ہوگی وہ اسی وقت اس معاملے میں دلچسپی لے گی جب اس کا اس میں دلچسپی لینا اس کے اپنے مفاد میں ہوگا اور اس سے اس کو بھی فائدہ پہنچنے کی امید ہوگی۔ اپنے مفاد کو نظر انداز کر کے یا پس پشت ڈال کر کوئی بھی طاقت اس میں ہرگز دلچسپی نہیں لے گی۔

خود غرض اور ہوس پرست معیشت موجودہ مالی بحران کیلئے ذمہ دار

اس بحران سے دنیا کو باہر نکالنے کے لئے اجتماعی کوشش کی ضرورت ہے/ اسلامی ماہر اقتصادیات، پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقی کا اظہار خیال

نئی دہلی۔ موجودہ مالیاتی بحران اور اسلامی اقتصادیات کے موضوع پر کانسٹی ٹیوشن کلب، نئی دہلی میں ایک اہم لیکچر دیتے ہوئے ماہر اقتصادیات پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقی نے کہا کہ موجودہ مالیاتی بحران سے دنیا کو فوری نجات دلانے کے لئے کسی کے پاس بھی کوئی نسخہ کیمیا نہیں ہے۔ ہاں اگر سب مل کر اس کا حل اجتماعی طور سے تلاش کرنا چاہیں تو دنیا کو اس زوال پذیر معیشت سے چھٹکارا دلایا جا سکتا ہے۔

موجودہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی دو بنیادی خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر موصوف نے کہا کہ سٹہ بازی اور سود پر مبنی سرمایہ کاری کے ساتھ دوسروں کی تکالیف اور ضروریات کا خیال نہ کرنا اور خود غرض طرز حیات کو اپنانا سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی خرابیاں ہیں۔ کوئی بھی مذہب بشمول اسلام اس بات سے نہیں روکتا کہ آدمی مالی سرگرمیوں میں اپنا فائدہ دیکھے۔ لیکن مذہب ایک شخص سے یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ اپنے فائدوں میں دوسروں کا بھی لحاظ کرے۔ مذہب انسان کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ کسی کو نقصان پہنچا کر فائدہ حاصل کرے۔ لہٰذا اسلامی نظام معیشت دوسروں کا خیال رکھنے اور اپنے فائدے کو دوسروں کو بانٹنے کے بنیادی فلسفہ پر قائم ہے۔ قرآن پاک میں واضح طور پر کہا گیا کہ سماج کے محروم اور ضرورتمند افراد کا تمہاری دولت میں حصہ ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ضرورتمند کو کچھ دیتا ہے تو وہ اس پر رحم نہیں کرتا بلکہ اس کے مال میں موجود اس کا حق ادا کرتا ہے۔

اسلام بنیادی طور پر سود اور سود پر مبنی مالی سرگرمیوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ اس طرح سٹہ بازی پر مبنی معیشت پر بھی اسلام پابندی لگاتا ہے۔ یہ تو محرمات ہیں لیکن اسلام انسان کو مادی ترقی سے نہیں روکتا بلکہ اسے عین عبادت قرار دیتا ہے تاہم اس کے لئے کچھ بنیادی اصول فراہم کرتا ہے اور انسان کو یہ بتاتا ہے کہ اس کی معاشی سرگرمی اپنے علاوہ سماج کے دوسرے افراد کو بھی فائدہ پہنچانے کے لئے ہو اور اس میں ان کی ضروریات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہو۔ جہاں تک سرمایہ دارانہ نظام معیشت کا تعلق ہے جس نے موجودہ مالیاتی بحران پیدا کیا ہے اس میں سود، قمار بازی اور سٹہ بازی کے علاوہ خود غرضانہ معاشی سرگرمی کا دخل ہے جو دوسروں کو نقصان پہنچا کر فائدہ کمانے کے جذبے پر موقوف ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صدیقی نے اس مسئلے سے مفصل بحث کی اور شرکاء کے سوالات کا جواب بھی دیے۔

پروگرام کی صدارت کرتے ہوئے راجیہ سبھا کے ڈپٹی چیئرمین جناب کے رحمٰن خاں نے کہا کہ اس وقت اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ دنیا کے سامنے اسلامی نظام معیشت کو ایک بہتر متبادل کے طور پر پیش کیا جائے۔ اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں اسلامک بینکنگ کے جو تجربات ہو رہے ہیں، ان سے دنیا کو واقف کرانے کی ضرورت ہے۔ خان صاحب نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر کی گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ انھوں نے موجودہ مالیاتی بحران کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت دنیا کو ایک منصفانہ اور مساوات پر مبنی معاشی نظام کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں چیزیں اسلامی نظام معیشت کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ لہٰذا ہمیں پوری قوت کے ساتھ اسلامی نظام معیشت کو ایک متبادل کے طور پر پیش کرنا چاہئے۔

پروگرام کے آغاز میں 'سماجک چیتنا منچ' جس نے اس لیکچر کا اہتمام کیا تھا کے کنوینر ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس نے اس موضوع پر لیکچر رکھنے کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی اور اس ضرورت کا اظہار کیا کہ موجودہ مالیاتی بحران سے دنیا کو نجات دلانے کے لئے کسی کے پاس اگر کوئی متبادل موجود ہے تو اس پر غور ہونا چاہئے۔ ہم اسلام کے معاشی نظام کو ایک متبادل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر وقار انور نے پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقی کا تفصیلی تعارف پیش کیا۔ شاہ فیصل ایوارڈ یافتہ اسلامی ماہر اقتصادیات پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقی کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی کے اسلامک سنٹر کے سینئر ریسرچ پروفیسر رہے۔ اس سے قبل موصوف علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں معاشیات کے پروفیسر اور شعبہ اسلامیات کے ڈین بھی رہ چکے ہیں۔ اسلامی معیشت کے مختلف پہلوؤں پر موصوف کی کئی کتابیں اس وقت اسناد کا درجہ رکھتی ہیں۔

سماجک چیتنا منچ کے سرپرست ڈاکٹر محمد رفعت نے استقبالیہ کلمات کہے اور جناب ایچ عبدالرقیب جنرل سکریٹری انڈین سنٹر فار اسلامک فائنانس نے ہدیہ تشکر پیش کیا۔

••

سب سے زیادہ پسندیدہ و سب سے زیادہ ناپسندیدہ صدر الوداع

• ۱۹۳۰ء کی بدحالی و افسردگی پر مبنی عظیم کساد بازاری کے بعد امریکہ بدترین اقتصادی حالت سے دوچار ہے جو اس کے سابق صدر اکیسویں صدی میں صلیبی جنگ کے علمبردار جارج ڈبلیو بش کا اس کے لئے سب سے بڑا تحفہ ہے جبکہ خود ان کو یہ بہت بڑا امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ امریکہ کے سب سے زیادہ مقبول اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ صدر قرار پائے ہیں۔ گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پنٹاگن پر دھماکوں کے بعد انھوں نے اس انداز میں پروپگنڈا مہم چلائی کہ اس کے کچھ دن بعد ہی جب سروے کیا گیا تو وہ امریکہ کے سب سے زیادہ مقبول صدر قرار پائے۔ ان کے حق میں ۹۰ فیصد لوگوں نے ووٹ دیے، لیکن اس پروپگنڈے کے اثرات زائل ہو جانے یا اس کے بادل چھٹ جانے کے بعد جب اصل حقیقت کھل کر سامنے آئی تو ان کے حق میں محض ۲۲ فیصد لوگ ہی ووٹ دینے والے ملے اور اب نہ صرف ساری دنیا خود امریکہ کے عوام و خواص بڑے پیمانے پر ان کے خلاف نفرت و ناگواری اور برہمی کا اظہار کر رہے ہیں اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی ناکامیوں و بدعملیوں کو سامنے لایا جا رہا ہے۔ عراق و افغانستان کے خلاف بے بنیاد الزامات لگا کر چھیڑی گئی بے مقصد جنگ اور امریکہ کی اقتصادی بدحالی ان کے خلاف تیار شدہ چارج شیٹ میں سرفہرست جرائم ہیں۔ دی ٹائم نے ۱۴؍دسمبر کے اپنے شمارے میں صفحہ اول پر پچاس بلین (ارب) ڈالر کی بربادی کا انکشاف کیا۔ اس سے تین روز قبل دنیا کے سامنے یہ بات آ گئی تھی کہ برنی میڈوف کی پونزی اسکیم میں پچاس بلین ڈالر غائب ہو چکے ہیں۔ اس بار کی لوٹ کا تعلق امریکی ٹیکس دہندگان سے ہے۔ یہ ان کی اجتماعی مد تھی جو وسط ۲۰۰۸ء میں ۱۱۷ بلین ڈالر کے طور پر عراق کی تعمیر نو کے نام پر صرف کی گئی۔ یہ بھرشٹاچار اقرباپروری، نااہلی اور کھلی لوٹ کھسوٹ کی گندگی کا مین ہول ہے جس نے بش انتظامیہ کو اندرون و بیرون ملک وبا میں مبتلا کر دیا تھا۔

اس خبر کا ذریعہ قومی تعمیر کی ناکامی کی ۵۱۳ صفحات کی وفاقی تاریخ کا تقریباً آخری شکل والا مسودہ تھا۔ یہ دستاویز عراق کی تعمیر نو کے لئے اسپیشل انسپکٹر جنرل کے آفس نے تیار کی تھی۔ جس میں دوسری بداعمالیوں کے علاوہ ایک سرکاری پونزی اسکیم کی بھی نشاندہی کی گئی تھی جو امریکیوں کو اس امر کا یقین کرنے کے لئے فریب دینے کی غرض سے تیار کی گئی تھی کہ وہ ایک "نئے" عراق میں سرمایہ کاری کر رہے ہیں۔

اس رپورٹ میں کسی اور کے حوالے سے نہیں خود کولن پاول کے حوالے سے بتایا گیا تھا کہ اسکینڈل کس طرح ترتیب دیا گیا۔ ۲۰۰۳ء میں سابق وزیر خارجہ کولن پاول نے کہا تھا کہ محکمہ دفاع میں اس وقت صرف چند ہی عراقی سیکورٹی فورسز ہیں لیکن ان کی تعداد دو ہزار فی ہفتہ کی شرح سے بڑھے گی، پھر ۸۰ ہزار۔ ایک لاکھ اور ایک لاکھ بیس ہزار کی شکل میں بڑھتی چلی جائے گی۔ جن لوگوں نے اس مبالغہ آمیزی پر سوال اٹھایا، ان کو بے وقوف قرار دیا گیا ان کو ان لوگوں سے تشبیہ دی گئی جو میڈوف کے میتھ کو چیلنج کرنے کے لئے سیکورٹیز اور ایکسچینج کمیشنوں کا سوال اٹھاتے ہیں۔ لیکن ٹائم کی رپورٹ کے بارے میں جو سب سے زیادہ قابل ذکر امر ہے وہ یہ کہ اس سے کونسی تحریک پیدا ہوئی۔ بش کے ہاتھوں آٹھ سال تک زدوکوب سے دوچار ہونے کے بعد پوری قوم سکتے میں اور تعطل کی شکار ہو گئی ہے۔

بہرحال ابوغریب، گوانتانامو اور البرٹو گونزیل کے محکمہ عدل و انصاف پر فائرنگ اور اس کے سیاسی استعمال کے بعد عراق کی تعمیر نو کے ملبے میں کوئی تکلیف دہ اور المناک صورت نظر نہیں آتی۔ پچاس بلین ڈالر بھی اسی ڈھیر میں شامل ہو گئے جن کا بش کے دور میں کوئی حساب نہیں رہا کہ ۳۴۵ بلین ڈالر محصول ٹیکس الگ ضائع ہوا جبکہ ۳۵۰ بلین ڈالر وال اسٹریٹ کی نذر ہو گئے۔ ایک اچھے پرانے فیشن والے جنسی اسکینڈل نے بھی ہمارے اندر غیظ و غضب نہیں بھڑکایا۔ محکمہ داخلہ میں ایک دلچسپ انکشاف ہوا جہاں انسپکٹر جنرل نے دیکھا کہ افسران کوکین اور میری جوانا استعمال کر رہے ہیں اور تیل و گیس کمپنیوں کی نمائندوں سے جنسی تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں۔ دو افسران جن کا کام امریکی ٹیکس دہندگان کے بل پر تیل کی مارکیٹنگ تھی دن کے وقت میں شراب کے نشے میں اس قدر دھت پائے گئے کہ وہ اپنی گاڑی چلانے تک کی اہلیت سے محروم ہو چکے تھے جنہیں تیل کمپنی نے رات بھر کے لئے اپنے یہاں بند رکھا۔

مذکورہ بالا رپورٹ میں ۱۱۰ صفحات سنٹر فار پبلک انٹی گریٹی سے متعلق ہیں۔ یہ ایک غیر جانبدار ریسرچ آرگنائزیشن ہے جسے گزشتہ مہینے جارج ڈبلیو بش کے تباہ کن کارناموں کی تفصیلات جمع کرنے کا کام سونپا گیا تھا جس نے وفاقی حکومت میں ۱۲۵ منظم ناکامیوں کا پتہ لگایا۔ اس سلسلے میں اٹھنے والے بہت سے سوالات کا ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا گیا ہے۔ اس مجموعی تاریخ کا سب سے بڑا سوال ماضی کے مقابلے مستقبل سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ اگر ہم بش کے زمانے کے وہائٹ ہاؤس کی ہر غلطی کو جائز اور درست قرار دینے لگیں تو ہمیں اس انتظامیہ کی بدعنوانیوں، غیر قانونی حرکتوں اور نالائقیوں کے اس بحران سے نمٹنے کے لئے توانائی، وقت اور توجہ کہاں سے حاصل کریں گے جو ہمیں بطور وراثت اس سے حاصل ہوا ہے۔

گیارہ جنوری کو ایک انٹرویو میں نئے امریکی صدر بارک اوبامہ نے کہا تھا کہ وہ بش انتظامیہ کے پروگراموں اور اندرونی جاسوسی یا دہشت گردوں کے ساتھ سلوک وغیرہ کی انکوائری کا آرڈر نہیں دیں گے۔ لیکن انھوں نے اے بی سی نیوز پروگرام "دس ویک ودھ جارج اسٹیفانوپولس" میں یہ بھی کہہ دیا کہ اگر کسی نے شوریدہ سری سے قانون شکنی کی ہے تو اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جانی چاہئے۔ لیکن ابھی ان کی قانونی ٹیم تفتیش اور حراست کے مسائل کا جائزہ لے رہی ہے اور وہ سابقہ کارروائیوں کے بارے میں فیصلہ کرے گی۔ تاہم انھوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ وہ پیچھے کی طرف دیکھنے کی بجائے آگے بڑھنے کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

••

بڑی مقدار میں امونیم نائٹریٹ برآمد، بجرنگ دل کٹھرے میں

دھنباد۔ اسے محض اتفاق کہا جائے یا بجرنگ دل کی خفیہ کارکردگی کا حصہ یا کچھ اور، ریاست چھتیس گڑھ سے دھماکہ خیز اشیاء امونیم نائٹریٹ لے کر چلے ٹرک جسے جھارکھنڈ انڈین اکسپلوسیو لمیٹڈ (جے یو ای ایل) کی مقامی جھارکھنڈ شاخ گومبا میں پہنچنا تھا وہ ٹرک جھارکھنڈ کے گولا تھانے کے تحت سڑک پر لٹیروں کے ذریعے اغوا کر لیا جاتا ہے اور یہ دھماکہ خیز اشیاء سیدھے دھنباد پہنچا دی جاتی ہیں۔ بڑی تعداد میں امونیم نائٹریٹ کے غائب ہو جانے سے پولیس بھی حرکت میں آتی ہے اور بعد میں پولیس اپنی مستعدی سے برآمد کر لیتی ہے لیکن یہ جان کر انتہائی حیرت ہوگی کہ یہ دھماکہ خیز اشیاء امونیم نائٹریٹ کی ۴۰۵ بوریاں جس شخص کے یہاں سے برآمد ہوتی ہیں وہ کوئی اور نہیں بلکہ دھنباد بجرنگ دل کا ایک سرگرم رکن اوما کانت تیواری اور اس کا دوست جیتندر سنگھ ہیں۔ پولیس اور خفیہ ایجنسی کے مطابق یہ تو محض اتفاق ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیا بجرنگ دل کے لوگ سڑکوں پر لوٹ کھسوٹ کا کام بھی کرنے لگے ہیں۔ اگر یہ دھماکہ خیز اشیاء کا استعمال جھارکھنڈ کے کسی حصے میں ہو جاتا اور تباہی مچتی تو یہی محکمہ، پولیس، خفیہ ایجنسیاں اور میڈیا خاص کر الیکٹرانک میڈیا فوراً اس حادثے کا الزام کسی نام نہاد مسلم دہشت گرد تنظیم سے جوڑ دیتا اور ہو سکتا ہے کہ کوئی البدر یا فرضی دہشت گرد تنظیم اس الزام کو قبول بھی کر لیتی اور پھر اس کی آڑ میں شروع ہو جاتا مسلمانوں کی اندھا دھند گرفتاری اور فرضی انکاؤنٹر کا سلسلہ۔ مقامی پولیس، لوکل میڈیا اور خفیہ محکمے کے لوگ اتنی بڑی تعداد میں دھماکہ خیز اشیاء کی بوریوں کی ضبطی کو اوما کانت تیواری اور جیتندر سنگھ کا نام آنے پر محض اتفاق قرار دے رہے ہیں۔ یہ درست ہے کہ محکمہ پولیس نے بڑی دانشمندی اور مستعدی کے ساتھ اس دھماکہ خیز اشیاء کو برآمد کر لیا ہے جسے مورخہ ۳۰؍نومبر کو دھنباد لایا گیا تھا۔ پہلے اسے کباڑ خانے میں دبا دیا گیا تھا۔ اعلیٰ حکام نے فوری کارروائی کی جس کے بعد اورنگ آباد ضلع سے دو لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ ان لوگوں کی نشاندہی پر جھریا تھانے کے گوہالی چک میں چھاپہ مار کر جیتندر سنگھ کے گھر سے غائب دھماکہ خیز اشیاء امونیم نائٹریٹ کی ۴۵۰ بوریاں برآمد کی گئیں۔ جیتندر سنگھ نے پولیس کو بتایا کہ یہ دھماکہ خیز اشیاء اسے گھر پر بجرنگ دل کے سرگرم رکن اور اس کے دوست اوماشنکر تیواری کے ذریعے رکھوایا گیا تھا۔

مالی بحران سے عرب ملکوں کو کھربوں ڈالر کا نقصان

دبئی۔ عرب ممالک کو عالمی مالی بحران کے سبب گزشتہ چار ماہ کے دوران ڈھائی کھرب ڈالر کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ کویت کے وزیر خارجہ شیخ محمد الصباح نے یہاں عرب ممالک کے وزرائے خارجہ اور خزانہ کی میٹنگ کے بعد نامہ نگاروں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے یہ اطلاع دیتے ہوئے بتایا کہ خطے کے ترقیاتی پروجیکٹوں میں سے ساٹھ فیصد یا تو منسوخ کر دیئے گئے یا ملتوی کر دیے گئے ہیں۔ ابوظہبی سے شائع ہونے والے روزنامہ دی نیشن ڈیلی نے وزیر موصوف کے حوالے سے اطلاع دی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس بحران سے عرب ممالک میں کس قدر تباہی مچی ہے۔ عرب لیگ کے جنرل سکریٹری عمرو موسیٰ نے کہا کہ عرب رہنما عرب ممالک کے اقتصادی، سماجی اور ترقی سے متعلق کانفرنس میں اس تجویز پر تبادلہ خیال کریں گے جس میں غزہ پر اسرائیلی حملے کو روکنے، غزہ پٹی کی اقتصادی ناکہ بندی ختم کرنے اور تباہ غزہ میں بنیادی ڈھانچوں کی تعمیر نو کے لئے دو ارب ڈالر کے پیکیج پر غور کیا جائے گا۔ ادھر دبئی میں دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے تین سو سے زائد ڈرائیوروں کو حکومت کے ایک محکمے نے ملازم رکھا تھا لیکن کئی مہینوں سے ان کو تنخواہیں نہیں دی گئی ہیں۔ ان ملازمین کے رہنے کے حالات بھی بہت خراب ہیں۔ ان کے مکانوں میں نہ بجلی ہے اور نہ پانی۔ یہ تمام ڈرائیور قانونی طور سے یہاں آئے تھے۔ حکومت نے ان کو اسپانسر کر کے انہیں کام کرنے کے ویزے دیئے تھے۔ ان ڈرائیوں کو تین مہینے کی ٹریننگ بھی دی گئی تھی لیکن ابھی تک ان کو نہ روزگار دیا گیا اور نہ تنخواہ۔ اخبار گلف نیوز کی ایک خبر کے مطابق یہ ملازمین کی رہائش گاہوں اور شارجہ میں صنعتی علاقے میں رہ رہے ہیں۔ ان ملازمین کے پاس کھانا خریدنے کے لئے بھی رقم ختم ہو رہی ہے۔

یکطرفہ جنگ بندی اسرائیل کی شکست کا اشارہ/ ایران

تہران۔ ایران نے کہا ہے کہ غزہ میں اسرائیل کی جانب سے یکطرفہ جنگ بندی اسرائیل کی شکست کا اشارہ ہے۔ ایرانی وزیر خارجہ منوچہر متقی نے ایک بیان میں کہا کہ غزہ میں اسرائیلی جنگ بندی کافی نہیں ہے۔ قیام امن کے لئے اسرائیلی فوج کو مکمل طور پر غزہ سے نکلنا ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ غزہ میں اسرائیلی فوج کی موجودگی بذات خود اشتعال انگیز ہے اور جھڑپوں کے خاتمے کی کوئی ضمانت نہیں مل سکتی۔ ایرانی وزیر خارجہ نے کہا کہ اسرائیل کی طرف سے یکطرفہ جنگ بندی کا فیصلہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسرائیلی رہنما اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

پسماندہ طبقات کی کانفرنس

کوپل (کرناٹک) شمالی کرناٹک کے اس دور افتادہ گاؤں میں جنتا دل (سیکولر) کے محروم اور پسماندہ طبقات کے اجتماع میں غیر لنگایت برادری خاص کر کوربا آدی واسیوں کی بڑے پیمانے پر شرکت سے کرناٹک کی سیاست میں پارٹی کو پھر ایک بار ابھر کر سامنے آ جانے کا اشارہ ملا۔ اس ریلی میں تقریباً چار لاکھ لوگوں نے شرکت کی۔ گاؤں تک پہنچنے کے راستے میں کم از کم دو کلو میٹر سے ریلی کے شرکاء کی موجودگی کا احساس ہونے لگا تھا۔ ہرے رنگ کے جھنڈوں کے لہرانے سے پورا علاقہ سبز ہو رہا تھا۔ کوربا برادری کے مقامی لوگ، برقع پوش خواتین، مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے درمیان کسانوں کی موجودگی نمایاں نظر آ رہی تھی۔ جنتا دل (سیکولر) کے تقریباً تمام بڑے لیڈران، ممبران اسمبلی، ممبران کونسل اور کارکن اسٹیج پر موجود تھے۔ شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے جنتا دل (سیکولر) کے لیڈر سابق وزیر اعظم ایچ ڈی دیوے گوڑا نے کانگریس اور بی جے پی دونوں پر کرناٹک کے عوام کی امنگوں کی طرف سے مسلسل غفلت برتنے کا الزام لگایا، وہیں جنتا دل (سیکولر) کی ریاستی یونٹ کے سربراہ اور سابق وزیر اعلیٰ ایچ ڈی کمارا سوامی نے کہا کہ ان دونوں پارٹیوں نے عوام کو علاقائی اور قومی پارٹیوں کا اتحاد قائم کرنے پر مجبور کیا ہے جسے 'تھرڈ فرنٹ' کہا جا سکتا ہے۔ دیوے گوڑا نے یہ بھی کہا کہ انہیں پوری امید ہے کہ تھرڈ فرنٹ محروم طبقات پسماندہ طبقات اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرے گا۔ اس ریلی میں جاری کئے گئے کوپل اعلامیہ میں دو قراردادیں شامل ہیں۔

تقسیم ملک میں انگریز، مسلم لیگ اور کانگریس کا کردار، مولانا آزاد کی نظر میں

عارف عزیز، (بھوپال)

ہندوستانی عوام اور ان کے ساتھ ہی غیر ذمہ دار اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ بھی بارہا اپنے قومی ہیرو، تحریک آزادی کے ہیرو اور دیگر رہنماؤں کی توہین کرتے رہے ہیں جیسا کہ گاندھی جی کے ساتھ ہوا کہ کبھی ان کی سادھی کی توہین کی گئی تو کبھی بال ٹھاکرے جیسے غیر ذمہ دار لیڈروں نے ان کے قاتل گوڈسے کو سچا دیش بھکت قرار دے دیا۔ ایسا ہی رویہ قومی اتحاد اور سیکولر اقدار کے علمبردار، جدوجہد آزادی کے عظیم رہنما مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں بھی اکثر وبیشتر اپنایا جاتا رہا ہے۔

تحریک آزادی کے دوران جو کچھ ہوا اس کو اگر نظریات کا ٹکراؤ یا شخصیتوں کا تصادم کہہ کر نظر انداز کردیا جائے تو بعد میں مولانا آزاد صدی تقریبات کے وقت بھی یہ بات دیکھنے میں آئی کہ اس عظیم محب وطن رہنما کے بارے میں جس کے منہ میں جو آیا وہ کہتا رہا، یہ عمل اگر پاکستان میں ہوتا تو صبر کرلیا جاتا کہ اس ملک کا قیام مولانا ابوالکلام آزاد کے نظریہ کے برخلاف عمل میں آیا تھا مگر وہاں تو مولانا کے بارے میں ایک گہری سمجھ پیدا ہورہی ہے، ان پر مثبت انداز فکر کے ساتھ بہت کچھ کام ہوا ہے اور ایک بڑا طبقہ ان کی خدمات کو صحیح پس منظر میں دیکھنے اور سمجھنے لگا ہے جبکہ ہندوستان میں یہ ہورہا ہے کہ کوئی بھی پراگندہ ذہن مولانا کے تعلق سے کچھ بھی کہہ دیتا ہے جیسا کہ کچھ سال پہلے ڈاکٹر پی این چوپڑا نے کیا۔ یہ وہی مورخ ہیں جن کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ مولانا آزاد کی زندگی میں ان سے کافی قریب رہے ہیں۔ انھوں نے انگریزی میں مولانا پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ اس کتاب میں مولانا آزاد کو ایک گھٹیا انسان ثابت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ ''وہ غلط بیانی سے بہت کام لیتے تھے'' مگر حقیقت یہ ہے کہ چوپڑا نے جس غلط بیانی کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے پس پشت مولانا کا جذبہ یہ تھا کہ کسی طرح ہندوستان کی وحدت برقرار رہے۔ اس بڑے مقصد کے لئے وہ کچھ بھی کر گزرنے کو تیار تھے یعنی ان کی دروغ گوئی اپنے نجی مفادات کے لئے نہیں بلکہ ایک نیک مقصد اور قومی مفاد کے لئے تھی جیسا کہ ''کیبنٹ مشن'' کے ساتھ مذاکرات کے وقت ہوا کہ مولانا آزاد نے ایک خفیہ خط وائسرائے کو لکھ دیا جس میں متحدہ ہندوستان کی آزادی پر اپنے منصوبے کا خاکہ پیش کیا گیا تھا گاندھی جی کو کسی طرح اس خط کی اطلاع ہوگئی۔ انھوں نے یہ خط منگواکر مولانا سے وضاحت طلب کی تو وہ صاف انکار کرگئے حالانکہ خط اس وقت بھی کچھ فاصلے پر گاندھی جی کے سامنے رکھا تھا۔

اس خط کا حوالہ دوسروں نے بھی دیا ہے لیکن سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس خط کو تحریر کرنے سے مولانا آزادؔ کا جذبہ قطعی نیک تھا۔ ایک دوسرے نام نہاد مورخ بلراج مدھوک اس سے بھی آگے کی کوڑی لائے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ''مولانا ابوالکلام آزاد ہی پاکستان کے خالق ہیں وہ مسلمانوں کے نام آدھا ہندوستان لکھوانا چاہتے تھے''۔ حالانکہ اس حقیقت سے بلراج مدھوک کے سوا پوری دنیا واقف ہے کہ محمد علی جناح کے ساتھ پاکستان بنانے میں مولانا آزاد کا نہیں سردار پٹیل کا مساوی حصہ ہے۔ جنھوں نے سب سے پہلے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے فارمولے کو ''تقسیم کرو اور آزادی لو'' کو قبول کیا، اس کے بعد جواہر لال نہرو اور دوسرے کانگریسیوں کے نام آتے ہیں جنھوں نے مل کر گاندھی جی کو ہندوستان کی تقسیم کے لئے راضی کیا۔ اس کے برعکس مولانا آزاد کا آخر تک اصرار تھا کہ تقسیم کی شرط پر آزادی قبول کرنے میں جلدی نہ کرو کیونکہ انگریز اب زیادہ دن ہندوستان میں رہنے کی سکت نہیں رکھتے جنگ عظیم میں ان کی حالت اس قدر کمزور ہوگئی ہے کہ وہ آج نہیں تو کل ہندوستان سے رختِ سفر باندھنے پر مجبور ہوجائیں گے۔

لیکن ان حقائق کو ایک خاص طرز فکر کے مورخوں اور متعصب سیاستدانوں نے قطعی فراموش کردیا کیونکہ انہیں تو ہر مسلم رہنما کا قد چھوٹا کرنے کی فکر تھی تاکہ دنیا پر یہ ثابت ہوجائے کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے مسلمانوں نے کچھ نہیں کیا۔ سارا معرکہ اکثریت کے لیڈروں نے سرانجام دیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جنگ آزادی میں مسلم رہنماؤں نے ہراول دستے کے طور پر کام کیا اور مولانا آزاد سرگرم سیاست میں اس وقت داخل ہوئے جب گاندھی جی کو ہندوستان میں کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔

رہی تقسیم ملک کی بات تو مولانا آزاد کے لئے یہ ایک شدید صدمے کا درجہ رکھتی تھی حالانکہ ان کے کانگریسی ساتھیوں نے اس کو قبول کرلیا تھا، قریبی رفیق پنڈت جواہر لال نہرو اس کی حمایت پر آمادہ ہوگئے تھے، لیکن مولانا آزاد کے لئے یہ ایک سانحہ تھا جس کا اظہار انھوں نے اپنی خودنوشت سوانح ''انڈیا ونس فریڈم'' (ہماری آزادی) میں کیا ہے۔ اس کتاب کے تیس صفحات پر جو مہر بند کرکے محفوظ کردیے گئے تھے کتاب کی اشاعت کے تیس برس بعد ۱۹۸۸ء میں جاری کیے گئے تو ان میں بھی جس بات کو مزید شدت اور صاف گوئی کے ساتھ بیان کیا گیا وہ تقسیم ہند کا المیہ تھا۔

مولانا آزاد نے خاص طور پر جس پہلو کو اجاگر کیا وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مادر وطن سے محبت کے دعویداروں نے بھارت کی ناقابل تقسیم میراث، جغرافیائی اور تہذیبی وحدت کے تمام بلند بانگ دعوؤں کے باوجود اقتدار کا مزہ ایک بار چکھ لینے کے بعد اسی اقتدار کا سکھ حاصل کرنے کی خاطر ملک کے بٹوارے کو شیر مادر سمجھ کر حلق سے نیچے اتار لیا حالانکہ یہ دودھ نہیں وہ زہر تھا جس نے لاکھوں انسانوں اور کئی نسلوں کی زندگی میں ایسا زہر بھر دیا کہ اس کی کسک بلکہ ہلاکت آج تک محسوس کی جارہی ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لئے تو یہ اتنا سنگین المیہ ہے جس کی کوئی مثال ان کی تاریخ وتہذیب میں نہیں ملتی۔

ایک ایسا شخص جس نے ''متحدہ قومیت'' کی وکالت کی اور اس کے لئے لڑائی میں اپنا سب کچھ نچھاور کردیا تقسیم کا یہ سانحہ فطری طور پر دل ودماغ کو ہلا دینے والا ایسا حادثہ تھا جو کانگریس ہائی کمان کے دوسرے ارکان پر نہیں گزرا۔ اس کے بجائے ان لوگوں نے مسلمانوں کی سیاسی صف آرائی اور مسلم لیگ کی مزاحمت سے نجات پاکر ہندوستان میں بلاشرکتِ غیرے ملکیت پر اطمینان کا ہی اظہار کیا اور ۱۹۴۷ء کے بعد تو وہ اپنے خوابوں کے مطابق ہندوستان کی تعمیر میں لگ گئے تاکہ ایک ہزار برس کی تاریخ میں پہلی بار انہیں حکمرانی کا جو موقع ملا ہے اس کو کام میں لاکر ملک کو طاقتور اور قوم کو حوصلہ مند بناسکیں کیونکہ غلامی کے تاریک دور کا تصور ان کے ذہن میں شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک ہزار برس کی مدت کا تھا۔ کانگریس کی قیادت میں ایک بڑا حلقہ اسی لئے ہندو احیاء پرستی سے بھی ہمدردی محسوس کرتا اور کبھی کبھی ان کی زبان بھی بولنے لگتا تھا، اس کا فطری نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مولانا آزاد کو خود کے اور عام مسلمانوں کے بارے میں بے یار ومددگار ہونے کا احساس ہونے لگا، وہ یہ تماشہ دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے کہ جس ہندوستان میں تحریک خلافت کے دور تک مسلمان سیاست پر حاوی تھے وہ آج بے حقیقت ہوچکے ہیں۔ اتنے بے حقیقت کہ ہندوستان کی قومی زندگی میں ان کی ناگوار موجودگی کا احساس بھی نہیں رہا تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کو حقارت سے نظر انداز کرنے کا یہ رویہ ان کے خلاف نفرت اور تعصب سے زیادہ خطرناک اور ان تمام سیکولر مسلم رہنماؤں کی توہین تھی جنھوں نے آندھی طوفان میں بھی اپنے پایۂ استقامت میں لغزش نہ آنے دی۔

مولانا آزاد کو تقسیم ہند کے المیے کے بے لاگ تجزیے کی ضرورت اس لئے بھی محسوس ہوئی کہ ان کے خیال میں ہندوستانی مسلمان تو اپنے سیاسی ماضی کی قیمت چار وناچار ادا کررہے تھے لیکن تقسیم کو قبول کرنے کے مساوی ذمہ داروں کو اپنی غلطی ومجرمانہ کوتاہی کا ذرا بھی احساس وخیال نہ تھا۔

> اس کے برعکس مولانا آزاد کا آخر تک اصرار تھا کہ تقسیم کی شرط پر آزادی قبول کرنے میں جلدی نہ کرو کیونکہ انگریز اب زیادہ دن ہندوستان میں رہنے کی سکت نہیں رکھتے جنگ عظیم میں ان کی حالت اس قدر کمزور ہوگئی ہے کہ وہ آج نہیں تو کل ہندوستان سے رختِ سفر باندھنے پر مجبور ہوجائیں گے۔

مولانا آزاد کی حق گوئی کا پس منظر یہی ہے جس میں انھوں نے نہایت سرد لہجہ اور استدلال کے ساتھ آنے والی نسلوں کے سامنے یہ حقیقت واضح کی کہ تقسیم کے المیے کے تنہا مسلمان ہی ذمہ دار نہیں اور اس کے نتیجے میں جو خون ریزی، تعصب اور تصادم کا ماحول پیدا ہوا وہ فکر ونظر کی کن خامیوں کا نتیجہ تھا اور کانگریس کے صف اول کی قیادت چاہتی تو اس سے بچ سکتی تھی۔

مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی مناسب نہ ہوگا کہ تقسیم کے المیے کی ذمہ داری صرف کانگریسی رہنماؤں پر عائد ہوتی ہے کیونکہ تقسیم ملک میں مسلم لیگ، کانگریس اور انگریز حکومت نے اپنا اپنا کردار ادا کیا ہے اور ان کی مشترکہ غلطیوں یا چالبازیوں کی بھاری قیمت برصغیر کے کروڑوں معصوم انسانوں کو بھگتنا پڑی ہے اس کو تاریخ ساز لوگوں کی انسانی غلطی سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ غلطی کا سرزد ہونا بشری تقاضا ہے جس کی قیمت بھی ادا کرنی پڑتی ہے کیونکہ تاریخ بے رحم ہوتی ہے وہ انسانی غلطیوں کو معاف نہیں کرتی، ہماری تحریک آزادی کے سورماؤں نے جہاں اپنی زندگیاں داؤ پر لگادیں وہیں ان سے بعض اہم غلطیاں بھی سرزد ہوئی ہیں۔ خود پنڈت نہرو نے بعد میں تسلیم کیا کہ برصغیر کے فرقہ وارانہ امن کی خاطر ہم نے تقسیم منظور کی تھی مگر بعد کے واقعات نے اسے غلطی ثابت کردیا۔

●●

فکر معاصر

زحمت یا رحمت؟

کون چیز اچھی ہے یا بری اس کا فیصلہ چیز پر نہیں بلکہ اس کے استعمال پر ہوتا ہے اس لئے کسی چیز کو اچھا یا برا کہنا کبھی مناسب نہ ہوگا۔ ہندوستان آبادی کے لحاظ سے دنیا کا دوسرا سب سے بڑا ملک ہے لیکن یہاں آبادی بڑھنے کی رفتار دوسرے ممالک سے کہیں تیز ہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ ایک دن یہ آبادی میں چین کو بھی پیچھے چھوڑ دے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ چین نے اتنی بڑی آبادی کو کبھی مصیبت نہیں بنایا اسے اپنی ترقی کی رفتار میں کسی بھی طرح مانع نہیں کہا جبکہ ہندوستان میں ہر ناکامی اور خامی کے لئے بڑی آبادی کو ہی ذمہ دار کہا جاتا ہے اس کا یقیناً یہی مطلب ہوتا ہے کہ ناکامی کے لئے کسی کو ذمہ دار نہ قرار دیا جائے۔ لیکن یہ فرار کی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اب اس سے اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے۔ ہندوستانی مارکسی کمیونسٹ پارٹی کے ممتاز رہنما سیتارام یچوری نے بہت اچھی بات کہی کہ آج ہندوستان کے لئے اس سے بڑھ کر مفید بات اور کوئی نہ ہوگی کہ وہ عالمی مالیاتی بحران کو بجائے کسی زحمت کے اپنے لئے رحمت بنالے۔ انھوں نے کہا کہ ہندوستان کی کثیر آبادی کو ملک کے لئے بوجھ نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اس کثیر آبادی کو اچھے کاموں میں لگا کر اس سے زیادہ فوائد حاصل کرکے نعمت بنالیا جانا ہی سب سے بہتر طریقہ ہے۔ مسٹر یچوری کا کہنا ہے کہ ہندوستان کی کثیر آبادی کو سرمایہ کے لئے زیادہ بڑی تعداد میں آمادہ کرکے آسانی سے قرض حاصل کرنے کی کوشش چھوڑ کر اپنے مسائل کو از خود حل کرنے کے لئے تیار کیا جانا چاہئے۔ کثیر آبادی تھوڑا تھوڑا پس انداز کرکے سرمایہ کاری کرکے کہیں زیادہ فوائد حاصل کرسکتی ہے۔

ہندوستان کی خوش قسمتی ہے کہ یہاں کی پچاس فیصد سے زائد آبادی پچیس برس کی عمر سے کم نوجوانوں کی ہے جن کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھاکر ملک کو کہیں زیادہ ترقی یافتہ اور خوشحال بنایا جاسکتا ہے۔ آج ہندوستان دنیا کا ایک ایسا ملک ہے جس کی نصف سے زائد آبادی نوجوانوں پر منحصر ہے۔ جوانوں میں جذبہ، جوش اور بہت کچھ کرنے کا حوصلہ ہوتا ہے۔ اسی حوصلے سے ملک کی کثیر آبادی کو مصیبت کے بجائے باعث راحت بنایا جاسکتا ہے۔ نوجوان چاہیں تو کیا نہیں ہوسکتا۔ عوامی سرمایہ کاری کی مہم چلائی جائے تو کروڑوں نوجوان از خود آمدنی کے ذرائع پیدا کرسکتے ہیں۔ اس طرح ملک خوشحالی کی دہلیز پر قدم رکھ سکتا ہے۔

سب سے غلط کام ملک میں یہ کیا جارہا ہے کہ بجائے کچھ کرنے کے نوجوانوں کو مایوس کیا جارہا ہے اور انہیں بتایا جارہا ہے کہ ملک کی آبادی بہت زیادہ اور بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے اس لئے جب تک آبادی کو روکا نہ جائے کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ نوجوان بھی سوچتے ہیں کہ آج جب ذرائع آمدنی نہیں ہیں تو کل یہ اور بھی کم ہوں گے ایسے میں وہ کیا کریں گے ان کا مستقبل کیا ہوگا؟ وہ مایوس ہوکر غلط راستوں پر چل پڑتے ہیں نہ تو بڑھتی ہوئی آبادی کو اچانک روکا جاسکتا ہے اور نہ ہی موجود کثیر آبادی کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اس کثیر آبادی کو تعمیری کاموں میں لگا کر ملک کو خوشحال اور مستحکم کیا جائے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ طریقہ فکر بدلا جائے۔ ہر شخص کا نوکری حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہونا اس میں بھی سرکاری نوکری وہ بھی مرکزی سرکاری حکومت کی نوکری حاصل کرنے کی تمنا انتہائی مضر ہے۔ یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ سب کو نوکری نہیں مل سکتی۔ سرکاری دفاتر فیکٹری نہیں ہوتے ان میں کچھ بنایا نہیں جاتا کہ جیسے جیسے مال کی مانگ بڑھتی رہے زیادہ مال پیدا کرنے کے لئے زیادہ کاریگر رکھے جائیں۔ اس لئے نوجوانوں میں یہ جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے طور سے ذرائع آمدنی پیدا کریں اور اپنے ساتھ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو لگا کر کچھ اس طرح کام کریں کہ ہمیشہ آدمیوں کی ضرورت بڑھتی رہے، ایسا ہوگا تو خالی جگہیں زیادہ ہوں گی، کام کرنے والے کم پڑجائیں گے تب بڑھتی آبادی ایک مصیبت کے بجائے باعث راحت ثابت ہوگی۔

(روزنامہ ''آگ''، لکھنؤ)

یہ ہے دہشت گردی

عرفان صدیقی

جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل نے تمام پڑوسی عرب ممالک کے مختلف علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ مصر جزیرہ نمائے سینا اور غزہ کی پٹی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اردن مشرقی کنارے کے کچھ حصے سے محروم ہوگیا۔ پورا یروشلم اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ شام، قنطیرہ اور جولان کی پہاڑیاں گنوا بیٹھا اور یوں اسرائیل نے وہ سارے مقاصد حاصل کرلئے جو اس کے شیطانی منصوبے کا حصہ تھے۔ پانچ ماہ بعد ۲۲ر نومبر ۱۹۶۷ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے قرارداد نمبر ۲۴۲ منظور کی جس میں کہا گیا: ''جنگ کے ذریعے علاقے پر قبضہ کرنا ایک قابل قبول عمل ہرگز نہیں''۔ قرارداد کے مطابق اسرائیل کو تمام مقبوضہ علاقے خالی کرنا تھے اور جواباً ہمسایہ ممالک کو امن کی ضمانت دینا تھی۔ ۱۹۶۹ء میں ایک اور جنگ بھڑکی جو نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی۔ اسی سال امریکی وزیر خارجہ ولیم راجرز نے ۱۹۶۷ء میں منظور کی گئی قرارداد کی روشنی میں ایک امن منصوبہ پیش کیا۔ مصر نے اس منصوبے کی تائید کردی لیکن اسرائیل نے ڈھٹائی کے ساتھ اسے مسترد کردیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس اسرائیلی رویے کے پیچھے ہنری کسنجر کا ہاتھ تھا۔ اس موقع پر مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے کہا تھا: ''اسرائیل کو صرف دو چیزیں مفتوحہ علاقے واپس کرنے پر مجبور کرسکتی ہیں۔ امریکہ کا دباؤ یا عالم عرب کی مشترکہ قوت''۔ ناصر کی یہ بات آج چالیس برس بعد بھی تمام تر تدبر کے ساتھ سچ ہے۔ امریکہ دباؤ ڈالنے کی بجائے اسرائیل کا سرپرست پشتیبان اور پاسبان بنا بیٹھا ہے۔ رہا عالم عرب تو وہ رئیس امروہوی نے انہی دنوں ایک قطعہ کہا تھا:

عرب کو تھا جس اپنی عظمت پہ ناز
وہ عظمت دھری کی دھری رہ گئی
ہوا غرق، پٹرول جوش جہاد
حیا تیل کی دھار میں بہہ گئی

نام کوئی بھی دے لیا جائے، اصل مسئلہ صرف اس قدر ہے کہ فلسطینی اللہ پر ایمان رکھتے اور محمد عربی ﷺ کے امتی ہیں۔ ان کی رگوں میں دوڑتے لہو کا سلسلہ نسب، خاک مکہ ومدینہ سے جاملتا ہے اور غلامی کی سرشت اپنا کر اپنی جبیں کسی جابر کی چوکھٹ پر ٹیک دینا ان کا شیوہ نہیں۔ فلسطین کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہوتا اور اگر ہوتا تو برسوں قبل حل ہوچکا ہوتا بشرطیکہ متاثرہ فریق کا شجر فکر ونظر ''اسلام'' سے نہ جڑا ہوتا۔ چونکہ غزہ کی پٹی میں ذبح ہونے والے بھی فلوجہ، بغداد، کابل، قندھار اور وزیرستان میں ذبح ہونے والوں کے قبیلے سے ہیں۔ ان کی زندگیاں جنس بے مایہ ہیں۔ ان کا لہو برساتی جوہر کے گدلے پانی سے بھی زیادہ ارزاں ہے۔ ان کے بدن کے چیتھڑے خس وخاشاک کے ڈھیر سے بھی بے توقیر ہیں، ان کی مائیں جیتے جاگتے انسان نہیں، پتھر جنتی ہیں اور انسانوں جیسے انسان دکھائی دینے کے باوجود انہیں انسانوں جیسے حقوق نہیں دیے جاسکتے۔ اس لئے اگر اسرائیل نے ایک بار پھر بم اور میزائل برسا کر سیکڑوں معصوم فلسطینیوں کے پرخچے اڑادیے، اگر جابجا ان کا لہو چھوٹے چھوٹے تالابوں کی شکل میں جمع ہوگیا ہے، اگر ہزاروں لوگ شدید زخمی پڑے ہیں، اگر مسلسل محاصرے اور ناکہ بندی کے باعث پندرہ لاکھ انسان کھانے پینے کی اشیاء اور ادویات سے محروم کردیے گئے ہیں اور اگر معصوم بچے بھوک سے بلک بلک کر جان دے رہے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ ایسا ان پر پہلے بھی کئی بار ہوچکا ہے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس پر شہنشاہ عالم پناہ کو تشویش ہو، جس پر اقوام متحدہ کے آرام وسکون میں خلل پڑے، جس سے ''بان کی مون'' کی نیندیں حرام ہوں، جس پر سلامتی کونسل مضطرب ہوجائے، جس پر حقوق انسانی کی تنظیمیں پیچ وتاب کھائیں، جس پر یورپی یونین بے کل ہوجائے اور جس پر مہذب دنیا انگاروں پر لوٹنے لگے۔ غزہ، اسلام کے نام لیواؤں کی ایک کم نصیب سی بستی ہے، وہ نہ نیویارک ہے نہ لندن نہ ممبئی کہ ساری دنیا تلملانے لگے۔ غزہ میں انسان نہیں بستے اس لئے ''مہذب'' دنیا، کرسمس کی رعنائیوں کو بدمزہ نہیں کرنا چاہتی۔ امریکہ، برطانیہ اور اقوام متحدہ نے کہہ دیا ہے کہ حماس باز آجائے اور اسرائیل صبر وتحمل کا مظاہرہ کرے۔

سچ کو کتنی ہی گہری قبر میں دفن کردیا جائے، ایک نہ ایک دن اس کا سخت جان بیج زمین کا سینہ چیرتا ہوا پھوٹ نکلتا ہے۔ نائن الیون کا مردہ بھی ایک دن کفن پھاڑ کر بولے گا۔ اس ڈرامے کے اسکرپٹ رائٹر، اس کے ہدایت کار اور اس کے اداکار خود ہی بول اٹھیں گے۔ دنیا نے دیکھا کہ تین ہزار امریکیوں کا انتقام لینے کے لئے امریکہ پہلے افغانستان پر چڑھ دوڑا۔ پھر اس نے عراق پر چڑھائی کردی اور پھر اس نے پاکستان کو میدان جنگ بنالیا۔ تین ہزار انسانوں کے خون بہا کے طور پر وہ اب تک کم وبیش چودہ لاکھ انسانوں کا لہو پی چکا ہے۔ لاکھوں انسان زندگی بھر کے لئے معذور ہوچکے ہیں، بیواؤں اور یتیموں کی ایک نئی فصل لہلہانے لگی ہے، ہزاروں بستیاں کھنڈر ہوچکی ہیں۔ لیکن رقص ابلیسی تھمنے میں نہیں آرہا۔ ستم یہ کہ ساڑھے سات برس گزر جانے کے بعد بھی کوئی ایک بھی ایسی مستند شہادت پیش نہیں کی جاسکی جس سے پتہ چلتا ہو کہ نائن الیون کس کے معجزہ فن کی نمود تھا۔ اس درندگی وسفاکی کے باوجود امریکہ تہذیب کا سردار، تمدن کا پرچم بردار، جمہوریت کا تاجدار، انسانی حقوق کا پاسدار اور امن عالم کا علمبردار ہے اور جو مر رہے ہیں، جو قتل ہورہے ہیں، جن کے بچے ان کی گود میں دم توڑ رہے ہیں وہ سب دہشت گرد ہیں، شدت پسند ہیں، خونیں، اجڈ اور گنوار ہیں۔ کیا اس فریب کا پردہ کبھی چاک نہ ہوگا کہ اصل دہشت گرد کون ہے؟

جارج ڈبلیو بش نے عراق پر چڑھائی کی تو عالم عرب کو تسلی دینے کے لئے مسئلہ فلسطین کے تناظر میں ایک روڈ میپ کا اعلان کیا۔ یہ روڈ میپ اپریل ۲۰۰۳ء میں سامنے آیا۔ اس روڈ میپ میں کہا گیا کہ اسرائیل مارچ ۲۰۰۱ء کے بعد قائم کی گئی اپنی بستیاں، کالونیاں اور پوسٹیں ختم کردے گا اور نئی کالونیوں کی تعمیر روک دے گا۔ دو ماہ بعد، جون ۲۰۰۳ء میں ایریل شیرون نے اسرائیلی کابینہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''نئی کالونیاں بنتی رہیں گی لیکن لوگوں کو جشن منانے کی ضرورت نہیں۔ یہ کام خاموشی کے ساتھ آگے بڑھتا رہے گا''۔ چنانچہ روڈ میپ کے بعد نئی کالونیوں کی تعمیر میں ۳۵ فیصد اضافہ ہوگیا۔ امریکہ نے ''ناراضگی'' کا اظہار کرتے ہوئے گیارہ ارب ڈالر کی قرضہ جاتی امداد میں سے تیس کروڑ ڈالر روک لئے۔ اپریل ۲۰۰۴ء میں امریکہ نے بھی ایریل شیرون کا راگ الاپنا شروع کردیا۔ جارج ڈبلیو بش نے ایریل شیرون کو ''امن کا سفیر''، ''تاریخ ساز'' اور ''جری'' جیسے القابات سے نوازا۔ پتہ نہیں تقاضائے وقت کیا ہے لیکن فتح حق وصداقت ہی کی ہوگی کہ یہی اصول ازلی وابدی ہے۔ میرے پاس آج بھی فلسطینیوں کے لئے وہی پیغام ہے جو علامہ اقبال نے اپنی مختصر سی نظم ''فلسطینی عرب سے'' میں دیا تھا:

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
تری دوا نہ جنیوا میں ہے، نہ لندن میں
فرنگ کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے!
سنا ہے میں نے غلامی سے اُمتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذت نمود میں ہے!

●●

صومالی بحری قزاقی کا حل

تحریر: محمد مورو
ترجمہ: مسعود الرحمن خاں ندوی

صومالی سواحل پر بحری قزاقی کا جو مسئلہ ابھر کر علاقائی اور عالمی واقعات کے سرفہرست آگیا ہے اور چھوٹی بڑی تمام حکومتوں کے لئے بڑا مسئلہ بن گیا ہے اور ابھی تک اس کا فوری وکامیاب حل سامنے نہیں آیا ہے۔ ملاحی کے عالمی دفتر کے مطابق ۲۰۰۸ء میں اکتوبر کے آخر تک (یعنی صرف دس ماہ میں) صومالی ساحلوں پر ستر بحری قزاقیاں ہوچکی ہیں، اور صومالی بحری قزاق چھوٹے بڑے تقریباً پندرہ پانی جہازوں/ٹینکروں پر قبضے کئے ہوئے ہیں۔ ان میں وہ بڑا جہاز بھی شامل ہے جس پر عملہ کے ۳۳ افراد اور سامان کا ذخیرہ لدا ہوا ہے۔ نیز وہ عظیم سعودی تیل ٹینکر بھی ہے جس پر ۲۵۰ ملین ڈالر کا تیل لدا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صومالی بحری قزاق اتنی بڑی صلاحیتیں رکھتے ہیں کہ وہ بڑے جہازوں کو اغوا کرکے ان کو طویل مدت تک روکے رکھ سکتے ہیں۔ یعنی ان کے پاس اعلیٰ تکنیکی وبشری صلاحیت، خطرناک جرأت وہمت اور اپنے عمل کی صحت/ضرورت پر مضبوط ایمان ہے، وہ عام چور نہیں ہیں بلکہ ان کو ان کے مقامی معاشروں میں بڑا احترام حاصل ہے، نیز یہ جواز بھی ہے کہ دنیا نے صومالیہ کی طرف سے غفلت برتی ہے۔ اس پر بڑا ظلم کیا ہے اور صومالیہ کے باشندوں کے فقر وفاقہ اور مشکلات کا تقاضا ہے کہ کسی بھی طرح مال ودولت حاصل کئے جائیں۔ یہاں تک کہ صومالی لڑکیاں ڈاکٹروں، انجینئروں کے بجائے ان بحری قزاقوں کو اپنے خوابوں کے شہزادے تصور کرنے لگی ہیں۔

اتنے اہم مسئلہ کو ہلکا پھلکا نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ گہرائی سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ نیز ان سیاسی واقتصادی اسباب کو معلوم کرنا چاہئے جن کی وجہ سے ان کو مددگار یا کم از کم غیر انکاری مقامی ماحول حاصل ہے۔

۳۲۰۰ کلومیٹر پر پھیلے ہوئے صومالی ساحل کا جائے وقوع اور ماحول اور اہمیت ان کے بہت مددگار ہیں۔ وہ دنیا کے بحری محوروں میں سے ایک اہم ترین محور ہے۔ اس سے سولہ ہزار بحری جہاز اور عالمی پیداوار کا تیس فیصد تیل ہر سال یہاں سے گزرتا ہے۔

یہ وہ معاون عوامل ہیں جن کا عالمی تجارت واقتصادیات پر بڑا اثر ہے۔ اس لئے صومالی ساحلوں پر قزاقی کا مطلب عالمی تجارت کے ایک حصے کو معطل کرنا ہے۔ یعنی بینکوں، اسٹاک ایکسچینج اور جائدادی رہن کے انہدام کی وجہ سے شدید عالمی اقتصادی بحران پر ایک اور اضافی بحران سے سابقہ ہے۔

اب تک انھوں نے مختلف ممالک کے جہازوں/ٹینکروں کو اغوا کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اس ناپسندیدہ عمل کی ذمہ داری صومالیہ کی کسی اسلامی تنظیم پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ محاکم اسلامیہ نے تو سعودی ٹینکر کے اغوا کی نہ صرف مذمت کی بلکہ اس کے اغوا کرنے والے قزاقوں کا تعاقب بھی کیا، لیکن اس سے مسئلہ حل ہونے والا نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ ساحل بڑے طویل اور سمندر بڑا گہرا ہے یعنی مسئلہ محاکم کی طاقت وقدرت سے بڑا ہے، نیز یہ محاکم خود قابض حبشی افواج اور ناجائز حکومت کے نشانے پر ہیں۔ اس لئے ان سے مدد کی زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

اس مسئلہ کا صحیح حل یہاں وہاں کے بحری بیڑوں کا خلیج عدن میں جانا اور چوکیداری کرنا نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ قزاق تیز رفتار چھوٹی کشتیاں استعمال کرتے ہیں۔ ساحل بہت طویل ہیں اور بحری بیڑوں کے مصارف بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ نیز تجارت، حراست وچوکیداری میں نہیں بلکہ امن وامان کی فضا میں پروان چڑھتی ہے اور حراست کے مصارف تجارت کے لئے ناقابل برداشت بوجھ ہیں۔ اس لئے صحیح حل یہی ہے کہ:

☆ صومالیہ پر حبشی قبضہ ختم ہو۔

☆ صومالی عوام کو خود اپنا فیصلہ کرنے کا حق خود اختیاری دیا جائے تاکہ صومالیہ میں عام انتشار وبدامنی ختم ہو۔ اس لئے کہ یہی انتشار، قزاقی کے ظہور اور پروان چڑھنے کے لئے بہترین ماحول فراہم کرتا ہے۔ یہ بات بھی اب کسی شک وشبہ کے بغیر اچھی طرح ثابت ہوچکی ہے کہ صومالی ملیشیاؤں (مسلح تنظیموں) کی وجہ سے ہی بدامنی وانتشار پھیلا ہے اور ان ہی کے بہانے حبشی قبضہ ہوا۔

(ہفت روزہ الامان، بیروت)

مظلومین غزہ کی شاندار مزاحمت

احمد ولی مجیب

غزہ پر تازہ اسرائیلی جارحیت میں ایک ہزار سے زیادہ لوگ شہید ہوئے جب کہ زخمی ہونے والوں کی تعداد 5000 سے تجاوز کرگئی۔ حیران کن امر یہ ہے کہ مسلم حکمران بالخصوص عرب حکمران اس وحشیانہ قتل عام پر نہ صرف خاموش رہے بلکہ اسرائیلی حکومت کے بقول ہم نے بعض عرب ممالک سے اس جنگ کی اجازت مانگی تھی۔

ترک عوام اور حکومت نے باقی دنیا کے برعکس ثابت کیا ہے کہ ان کی تمام تر ہمدردیاں اہل غزہ کے ساتھ ہیں۔ حکومتی سطح پر اتنا موثر احتجاج کسی بھی ملک نے نہیں کیا، البتہ وینزویلا کے صدر ہوگو شاویز نے سب سے بڑھ کر جرأت مندانہ اقدام کرتے ہوئے اپنے ملک میں اسرائیلی سفارت خانہ بند کرنے اور اسرائیلی سفیر کو ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ ان کا یہ اقدام مصر اور اردن جیسے مسلم ممالک کے لیے درس عبرت ہے جہاں کے دارالحکومتوں میں اسرائیلی سفارت خانے نہ صرف کام کررہے ہیں بلکہ موساد کے ایجنٹوں کے اہم مراکز بھی ہیں۔

اس جارحیت کے باوجود ایک بات واضح ہے کہ اسرائیلی ملٹری انٹلی جنس ناکام ہوچکی ہے۔

ایک مثال سے وضاحت

1948ء میں اسرائیلی حکومت کے قیام کے بعد اسرائیل نے پہلی بار 1956ء میں غزہ میں اپنی فوجیں اتاریں۔ اسرائیل کا یہ قبضہ صرف چند ماہ پر محیط تھا، اس کے بعد 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر صہیونی فوجیں دوسری بار غزہ میں داخل ہوئیں اور تقریباً چھتیس سال تک غزہ پر ان کا قبضہ رہا۔ 2003ء میں اسرائیلی فوجیں غزہ سے نکلیں۔ اسرائیل غزہ کے تمام علاقوں سے نہ صرف واقف ہے بلکہ اس کے فوجیوں نے غزہ کی گلیوں میں بھی خدمات سرانجام دی ہیں۔ اسرائیل کے پاس ہر قسم کی معلومات اور مخبروں کا مضبوط نیٹ ورک موجود ہے، لیکن اس تمام تر انفارمیشن کے باوجود اسرائیلی حکومت اپنے اصل ہدف کو حاصل نہیں کرسکی۔

بظاہر اسرائیل کا ہدف غیر واضح ہے لیکن جو کچھ اسرائیلی میڈیا میں چھپتا رہا ہے اس سے دو چیزیں واضح ہوتی ہیں: (۱) حماس کی قیادت کا خاتمہ (۲) اسرائیلی مغویہ فوجی گیلا دشالیت کی رہائی۔ اسرائیل نہ تو حماس کی قیادت کو ختم کرسکا ہے اور نہ ہی اپنے مغوی قیدی گیلا دشالیت کو رہا کراسکا ہے، حالانکہ غزہ پر حملے سے قبل اسرائیل یہ دعویٰ کرتا رہا ہے کہ گیلا دشالیت کے ٹھکانے کا اس کو علم ہے۔

اسرائیل کو اس پر گھمنڈ ہے کہ اس کا جاسوسی نیٹ ورک دنیا کا سب سے فعال ترین نیٹ ورک ہے۔ لیکن اب تک ہونے والی جنگ سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ اسرائیل کے غبارے سے ہوا نکل چکی ہے۔ اسرائیلی فوجیں غزہ میں داخل ہوگئیں لیکن القسام بریگیڈ کے مجاہدین کی طرف سے فائر ہونے والے میزائلوں کو نہیں روک سکیں۔ جب کہ القسام کے حملوں میں اسرائیلی ٹینک تباہ اور دو درجن سے زائد فوجی ہلاک ہوئے۔

دوسری جانب نام نہاد فلسطینی اتھارٹی کے سربراہ محمود عباس نے اسلامی مزاحمتی تحریک حماس کی جانب سے ہونے والی مزاحمت کو فضول قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حماس اور دیگر فلسطینی تنظیموں کی جانب سے ہونے والی مزاحمت فلسطین کو تباہ کردے گی۔ الفتح کے سربراہ اس سے قبل بھی اس طرح کے بیانات دے چکے ہیں، لیکن اب یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ غزہ کے مسئلے پر الفتح کی قیادت واضح طور پر تقسیم ہوچکی ہے۔ غزہ میں الفتح کے عسکری ونگ الاقصیٰ بریگیڈ کے سربراہ ابوعبیدہ نے اعلان کیا ہے کہ وہ اسرائیل کے خلاف مزاحمت جاری رکھیں گے اور وہ حماس کے موقف کی مکمل طور پر حمایت کرتے ہیں۔ الفتح کے سیاسی ونگ کے اہم رہنما ہانی الحسن نے بھی محمود عباس کی پالیسیوں پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ حماس اور فلسطینی عوام اس جنگ میں سرخرو ہوں گے۔

عرب اخبارات نے محمود عباس کے اس بیان پر سخت گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمود عباس نے اسرائیل کے خلاف فلسطینی عوام کے گرنے والے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ اخبارات نے لکھا ہے کہ اس مزاحمت کو تو خود ان کی جماعت نے شروع کیا تھا۔ اخبارات نے یہ سوالات بھی اٹھائے ہیں کہ ان ہزاروں شہداء کے خاندانوں کو محمود عباس کیا جواب دیں گے جن کے بچے اسرائیل کے مظالم کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے ہیں اور اس وقت اسرائیلی قید میں بند گیارہ ہزار فلسطینیوں کو محمود عباس کیا جواب دیں گے؟ کیا ان کی جدوجہد فضول تھی؟ محمود عباس انتظامیہ غزہ پر بمباری کے اٹھارہویں روز بھی ہوش میں نہیں آئی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی واضح بیان جاری کیا ہے۔ جب کہ مغربی کنارے میں احتجاج کرنے والے مظاہرین کو بھی عباس انتظامیہ نے زدوکوب کیا ہے۔

اسماعیل ھنیہ کا خطاب

غزہ پر حملے کے 17ویں روز غزہ میں اسلامی مزاحمتی تحریک حماس کے قائد اور سابق فلسطینی وزیراعظم استاذ اسماعیل ہنیہ نے قوم سے خطاب کیا۔ ان کے خطاب کی ویڈیو قطر سے نشر ہونے والے عربی چینل ''الجزیرہ'' نے چلائی۔ اسماعیل ہنیہ کے چہرے پر صبر، اولوالعزمی اور استقامت کی جھلک واضح طور پر نمایاں تھی۔ اسماعیل ہنیہ کی تقریر میں نمایاں ان کی وہ دعا تھی جس پر دنیا بھر میں یہ تقریر دیکھنے والے لاکھوں لوگوں نے آمین کہا۔ اسماعیل ہنیہ کی تقریر مسلم رہنماؤں اور اسلامی تحریکوں سے وابستہ کارکنان کے لیے مشعل راہ ہے۔ انہوں نے اپنا خطاب یوں شروع کیا:

''چٹان کی طرح ثابت و قائم غزہ کے فرزندو! اور اے عالم عرب اور عالم اسلام کے فرزندو! اور دنیا بھر میں رہنے والے حریت پسندو! میں غزہ کی اس تاریخی سرزمین سے...... بیت المقدس کے اطراف سے آج جنگ کے سترہویں دن آپ سے مخاطب ہوں۔''

اسماعیل ہنیہ کی تقریر کا ایک ایک لفظ ایمان کی حرارت اور ثابت قدمی سے لبریز تھا۔

انہوں نے کہا:

''غزہ میں اسرائیلی ظلم و سفاکی کی انتہا ہوچکی ہے۔ جب میں اہل غزہ کو مخاطب کرتا ہوں تو ان کی بہادری اور استقامت کی بات نہیں کرتا، کیوں کہ بہادری کا لفظ بہت چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ آج ایک نئی تاریخ لکھی جارہی ہے۔ ہمارے بچے، ہماری عورتیں اور ہمارے نہتے نوجوان و بوڑھے اسرائیل ٹینکوں، میزائلوں اور فاسفورس بموں کا مقابلہ کررہے ہیں۔ میں یہی کہہ کر آج اپنی قوم اور پوری امت کو خطاب کرنا چاہتا ہوں۔''

اسماعیل ہنیہ نے کہا کہ ''ہم اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ جیسے قرآن ہم پر نازل ہورہا ہے۔ اللہ پاک کے کلام کا ہر ہر لفظ صادق آرہا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ تقدیر لکھ دی گئی، قلم روک لیا گیا ہے اور سیاہی خشک ہوگئی ہے۔ وہی ہوگا جو اللہ چاہے گا۔ اگر ساری دنیا مل کر ہمیں نقصان پہنچانا چاہے اور اللہ کی مرضی نہ ہو تو کوئی ہمیں نقصان نہیں پہنچاسکتا۔ ہم نے اپنا سب کچھ اس پروردگار کے حوالے کردیا ہے، جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو عرش العظیم کا رب ہے۔ میرا ایمان ہے کہ ان صہیونیوں کو یا تو اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں شکست سے دوچار کردے گا یا پھر اپنی طرف سے کوئی عذاب ان پر نازل کرے گا۔''

اسماعیل ہنیہ کی دعا اس ویب سائٹ پر موجود ہے:

http://www.youtube.com/wathc?v=rys5bytkque&translated=1

آخر میں انہوں نے اہل غزہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''17 دن گزر جانے کے باوجود دشمن ہمیں اور غزہ کو توڑ نہیں سکا ہے۔ فتح اور کامیابی ہماری ہوگی، ذلت اور شکست دشمن کا مقدر بنے گی۔''

غزہ میں جاری صہیونی جارحیت پر اب ہر طرف سے آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ پوری دنیا میں اس کے خلاف مظاہرے ہورہے ہیں۔ خود یہودی رائے عامہ بھی اس مسئلے پر تقسیم نظر آرہی ہے۔ لندن میں یہودیوں نے مظاہرہ کرتے ہوئے غزہ پر حملے کو صہیونیوں کا دہشتانہ فعل قرار دیا۔ برطانیہ کی یہودی تنظیموں نے اسرائیل کی حالیہ جارحیت پر سخت تنقید کی ہے۔ جب کہ اس ضمن میں فرانس کی نیس یونیورسٹی کے پروفیسر آندرے نویشی جو خود یہودی ہیں، نے پیرس میں اسرائیلی سفارت خانے میں متعین صہیونی سفیر کو اپنے مراسلے میں غزہ پر اسرائیلی جارحیت کے بارے میں اپنے تحفظات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اس مراسلے میں کہا کہ اسرائیل کی جارحیت بالکل ویسی ہی ہے جیسی ہٹلر نے یورپ میں یہودیوں کے خلاف کی تھی۔ انہوں نے لکھا کہ اسرائیل کی جارحیت سے یہ اندازہ ہورہا ہے کہ وہ خود اپنی قبر کھود رہا ہے۔ آندرے نویشی کا کہنا ہے کہ اب انتفاضہ نئے انداز سے جنم لے گی اور نئے انداز سے حملے ہوں گے۔ اسرائیل استعماری طاقت ہے اور استعماری طاقت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ اسرائیل نے اگر دانش مندی کا مظاہرہ نہیں کیا تو یہ اس کے وجود کے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔

غزہ میں 1000 سے زیادہ افراد شہید ہوچکے ہیں۔ اب عرب حکمران اس بات پر متفق نظر آرہے ہیں کہ کھانے پینے کی ایک مجلس منعقد کی جائے جس میں مسئلہ فلسطین کا ذکر بھی ہو۔ اس کانفرنس کے لیے جگہ کا تعین ہوچکا ہے۔ یہ کانفرنس قطر کے دارالحکومت دوحہ میں ہوگی اور خاص بات یہ ہے کہ اس کانفرنس میں چوٹی کے دو ملکوں سعودی عرب اور مصر کے سربراہان مملکت شرکت نہیں کریں گے۔

لندن سے شائع ہونے والے عربی اخبار ''القدس العربی'' نے اس کانفرنس کے انعقاد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم نہیں چاہتے کہ یہ کانفرنس بھی سابقہ کانفرنسوں کی طرح ہو جس میں عرب حکمران خالی خولی انقلابی تقریریں کریں، روتی شکلیں بنائیں اور پھر ان کے خطبات کو ٹی وی چینلز پر نمایاں کرکے دکھایا جائے۔ اخبار نے لکھا ہے کہ عملی اقدام کی ضرورت ہے جس میں مندرجہ ذیل امور سرفہرست ہیں:

(۱) اسرائیل کے ساتھ ہر قسم کا مواصلاتی اور سفارتی تعلق ختم ہونا چاہیے۔ اسرائیلی سفارت خانے اور تجارتی مراکز بند ہونے چاہئیں۔ قطر چونکہ اس کانفرنس کا میزبان ملک ہے اس لیے اس سے گزارش ہے کہ وہ سب سے پہلے دوحہ میں اسرائیل کا تجارتی مرکز بند کردے۔

(۲) اس کانفرنس میں شرکت کرنے والے عرب ممالک جو تیل کے ذخائر سے مالا مال ہیں، تیل کو بطور اسلحہ استعمال کریں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بالکل بند کردیا جائے البتہ اس کی پیداوار میں کمی کردی جائے تاکہ تیل کی قیمت بڑھ جائے اور اسرائیل کو سپورٹ کرنے والے ممالک کو نقصان پہنچے۔ یورپ اور امریکہ میں اس وقت اقتصادی بحران ہے، اگر اس وقت یہ اقدام کیا جائے تو اس کا بہت بڑا اثر پڑے گا۔

(۳) کانفرنس میں شرکت کرنے والے ممالک امریکہ اور برطانیہ کے سامنے دو ٹوک موقف اختیار کریں کہ اگر اسرائیلی جارحیت نہ روکی گئی تو القاعدہ کے خلاف ہونے والے تعاون سے وہ ہاتھ اٹھالیں گے۔

اور یہ کام اس سے پہلے سعودی عرب کرچکا ہے، جب برطانیہ کی حکومت نے بعض سعودی حکام کے خلاف اسلحہ کی خریداری کی تحقیقات شروع کیں تو سعودی عرب نے دھمکی دی کہ اگر ایسا کیا گیا تو وہ برطانیہ سے القاعدہ کے سلسلے میں تعاون نہیں کرے گا۔

(۴) اس کانفرنس میں شرکت کرنے والے شمالی افریقہ کے عرب ممالک تیونس، الجزائر، مراکش، لیبیا اور موریطانیہ کے پاس بھی بہت سارے پتے ہیں، وہ یورپ کے سامنے یہ بات رکھ سکتے ہیں کہ ہم اپنے ممالک کے ساحل سے یورپ ہجرت کرنے والوں کا راستہ روک سکتے ہیں۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ گزشتہ سال 70 ہزار افراد ان راستوں سے یورپ میں داخل ہوچکے ہیں۔

(۵) الجزائر کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے کیوں کہ گیس یورپ منتقل کرنے کے لیے یہ سب سے اہم راستہ ہے۔ عرب حکمرانوں کے پاس نادر و نایاب موقع ہے۔ وہ اگر ان نقاط کو سامنے رکھ کر بات کریں تو غزہ جیسے واقعات کبھی بھی رونما نہیں ہوں گے، اور اگر وہ اپنی مصلحتیں پیش نظر رکھیں گے تو ہر دن ایک نیا غزہ سامنے آئے گا۔ ●●

1948ء میں اسرائیلی حکومت کے قیام کے بعد اسرائیل نے پہلی بار 1956ء میں غزہ میں اپنی فوجیں اتاریں۔ اسرائیل کا یہ قبضہ صرف چند ماہ پر محیط تھا، اس کے بعد 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر صہیونی فوجیں دوسری بار غزہ میں داخل ہوئیں اور تقریباً چھتیس سال تک غزہ پر ان کا قبضہ رہا۔ 2003ء میں اسرائیلی فوجیں غزہ سے نکلیں۔ اسرائیل غزہ کے تمام علاقوں سے نہ صرف واقف ہے بلکہ اس کے فوجیوں نے غزہ کی گلیوں میں بھی خدمات سرانجام دی ہیں۔ اسرائیل کے پاس ہر قسم کی معلومات اورمخبروں کا مضبوط نیٹ ورک موجود ہے، لیکن اس تمام تر انفارمیشن کے باوجود اسرائیلی حکومت اپنے اصل ہدف کو حاصل نہیں کرسکی۔

خطوط و مسائل

سب سے بڑے دہشت گرد نیٹ ورک کا پردہ فاش

راقم الحروف نے چار ماہ پہلے ستمبر ۲۰۰۸ء میں ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا ''بم بنانے اور دھماکے کرنے والے کون؟'' اس مضمون میں شواہد و دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ فسطائی سنگھ پریوار کے لوگ ہی ابتداء سے بم بناتے اور دھماکے کرتے رہے ہیں اور میڈیا اور پولیس کی مدد سے الزام مسلمانوں کے سر منڈھتے رہے ہیں۔ یہ مضمون تین درجن سے زائد انگریزی اُردو اور ہندی اخبارات کو بھیجا تک گیا تھا۔ ''دعوت'' مورخہ یکم اکتوبر ۲۰۰۸ء اور ہندی ہفت روزہ ''کانتی'' مورخہ ۵ر اکتوبر ۲۰۰۸ء میں چھپا تھا۔ احقر کو ایک ہندو بھائی کا تنقیدی خط ملا تھا جس میں لکھا تھا کہ تم نے اس مضمون میں مسلم دہشت گردوں کو بچانے کی ناکام کوشش کی ہے اور ہندوؤں کو دہشت گرد ثابت کرنا چاہا ہے جو قابل مذمت ہے۔ ہندو کبھی دہشت گرد نہیں ہوسکتا۔ جتنے دہشت گرد پکڑے گئے ہیں وہ سب مسلمان ہیں وغیرہ۔ مہاراشٹر پولیس کے اینٹی ٹیررسٹ اسکویڈ کے آنجہانی سربراہ ہیمنت کرکرے اور ان کے ساتھیوں نے فرض شناسی اور غیر جانبداری کا ثبوت دیتے ہوئے ملک کے سب سے بڑے دہشت گرد نیٹ ورک کو بے نقاب کیا ہے۔ مالیگاؤں بم دھماکہ کیس کے ملزمین میں بھگوا بریگیڈ کی سادھوی پرگیا ٹھاکر، شنکر اچاریہ امرتانند عرف دیانند پانڈے، برسر ملازمت لیفٹیننٹ کرنل پروہت وغیرہ کی گرفتاریوں سے جو حقائق سامنے آئے ہیں ان سے ظاہر و عیاں ہوگیا ہے کہ مسجدوں، مندروں، درگاہ اجمیر اور دیگر مقامات پر جو بم دھماکے ہوتے رہے ہیں، ان میں بھگوا پریوار کے لوگوں کے ہاتھ تھے۔ سوامی دیانند پانڈے کے لیپ ٹاپ میں ثبوتوں کا انبار ہے۔ گہری اور وسیع سازش کا پردہ فاش ہونے پر سنگھ پریوار اے ٹی ایس اور ہیمنت کرکرے کے خلاف شور مچاتا رہا۔ اس فرض شناس ایماندار پولیس افسر کو اینٹی نیشنل کہا گیا قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ اب ہیمنت کرکرے کے پُراسرار بے رحمانہ قتل پر یہی لوگ مگرمچھ کے آنسو بہار ہے ہیں۔ گجرات کے بے قصور مسلمانوں کا قاتل نریندر مودی ہیمنت کرکرے کی غیرت مند بیوہ کو ایک کروڑ روپے کا چیک پیش کرتا ہے جسے وہ حقارت سے ٹھکرا دیتی ہے۔ مولانا آزاد وچار منچ کے زیر اہتمام منعقدہ ممبئی کے تعزیتی اجلاس میں مسز کویتا کرکرے نے کہا ہے ''میرے شوہر کے قتل کے پیچھے کون لوگ ہیں میں انہیں جانتی ہوں۔'' ان کی مختصر تقریر سن کر سامعین اشکبار ہوگئے۔ (مراٹھی ویکلی، شودھن'' مورخہ ۹ تا ۱۵ر جنوری ۲۰۰۹ء) پولیس، انٹلی جنس ایجنسیاں، اے ٹی ایس جب سیکڑوں بے قصور تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کو گرفتار کرکے جسمانی اور ذہنی طور پر ٹارچر کررہی تھیں تو سنگھ پریوار ان کی حمایت اور تعریف کرتا تھا۔ لیکن جب مہاراشٹرا اے ٹی ایس کے سربراہ ہیمنت کرکرے نے بھگوا ہندو دہشت گردوں کو پکڑا اور ان کے سنگین جرائم سے پردہ ہٹایا تو انہیں ملک دشمن قرار دیا گیا۔ اے ٹی ایس کی غیر جانبدارانہ تفتیش اور انکوائری کے نتیجے میں بھگوا بریگیڈ کے کچھ لیڈروں اور کارکن، فوج کے بڑے افسر، بڑے صنعتی گھرانے ملوث پائے گئے ہیں۔ کانگریس کے اندر ہندو فرقہ پرستوں کے ہمدرد وحمایتی ابتداء سے رہے ہیں۔ آج بھی ہیں۔ ہیمنت کرکرے ٹیم کو ہٹا دیئے جانے کے بعد یہ عناصر غیر جانبدارانہ تفتیش پر اثر انداز ہوکر اصل مجرموں اور دہشت گردوں کو بچاسکتے ہیں مہاراشٹر حکومت نے کے پی رگھونشی کو اے ٹی ایس چیف کا ایڈیشنل چارج دیا ہے۔ اس افسر کا ریکارڈ اچھا نہیں ہے۔ اس نے سری کرشن کمیشن رپورٹ پر عمل نہیں کیا تھا۔ اس کے زمانے میں ممبئی کی ہری مسجد میں نمازیوں پر پولیس نے فائرنگ کی تھی اور سب ملزم بری ہوگئے تھے۔ مسلمان اس کے خلاف احتجاج کررہے ہیں اور مرکزی اور صوبائی ذمہ داروں کو احتجاجی مراسلے بھیجا رہے ہیں۔ کسی صاف ذہن کے دیانتدار بہتر افسر کو اے ٹی ایس چیف کی ذمہ داری سونپی جائے یہ ہیمنت کرکرے کو صحیح خراج عقیدت ہوگا۔ مسلم قیادت کو چاہئے کہ سیکولر اداروں اور افراد کو ساتھ لے کر کانگریس پارٹی، مرکزی حکومت اور مہاراشٹر حکومت پر دباؤ ڈالے کہ اے ٹی ایس کی انکوائری و تفتیش دیانتداری و غیر جانبداری کے ساتھ جاری رہے اس میں سیاسی دخل اندازی نہ ہو تاکہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور ملک کے اتحاد و یکجہتی کو برباد کرنے والے حقیقی دہشت گرد اور ان کے سرپرست بے نقاب ہوں اور عبرتناک سزا پائیں۔ انٹلی جنس ایجنسیوں میں پولیس، بیوروکریسی، میڈیا اور مسلح افواج تک میں بھگوا بریگیڈ کے ایجنٹ موجود ہیں۔ ان کو تلاش کرکے نکالا جائے اور سزا دی جائے۔ فوج کا معاملہ بہت نازک ہے۔ اس میں لیفٹیننٹ کرنل پروہت جیسے افسر اس دہشت گرد نیٹ ورک سے وابستہ ہیں۔ فوج کا کام بیرونی دشمنوں سے ملک کی حفاظت کرنا ہے لیکن کرنل پروہت جیسے فوجی افسر کچھ لوگوں کو بم سازی، بم باری اور تخریبی کاموں کی تربیت دیتے رہے ہیں۔ کرنل پروہت جیسے لوگ اندرونی دشمن ہیں جو بیرونی دشمنوں سے زیادہ وطن عزیز اور اس کے باشندوں کو نقصان پہنچاسکتے ہیں۔ فوج کو ایسے عناصر سے پاک کرنا چاہئے۔ لوک سبھا کا الیکشن قریب ہے، مسلم قیادت کو اپنے چارٹر آف ڈیمانڈس میں یہ مطالبہ سب سے اوپر رکھنا چاہئے کہ ملک میں جتنے بم دھماکے ہوئے ہیں ان سب کی اعلیٰ سطحی عدالتی جانچ کروائی جائے اور جو مجرم پائے جائیں انہیں سخت سزا دی جائے۔ جو مسلم نوجوان دہشت گردی کے بے بنیاد الزامات کے تحت جیلوں میں بند ہیں انہیں رہا کیا جائے اور ہرجانہ دیا جائے۔ میڈیا کو لگام لگائی جائے۔ افترا پردازی الزام تراشی اور کردارکشی کرنے پر سزا دی جائے۔ امریکہ، اسرائیل وغیرہ بین الاقوامی دہشت گرد ہیں جن کے انسانیت سوز جرائم کے شکار افغانستان، عراق، فلسطین وغیرہ ہیں۔ وطن عزیز کے معاملات میں ان کو دخل انداز نہ ہونے دیا جائے۔ ہندوستان نے ان سے جو معاہدے کئے ہیں وہ رد کردیئے جائیں۔

غلام الحسنین کیف نوگانوی، مہاراشٹر

گمشدگیاں......ریاستی دہشت گردی یا عالمی سازش

مہ ناز رحمن

گم شدگیوں کا ایشو اقوام متحدہ کے انسانی حقوق سے متعلق میکانزم کا حصہ ہے، یعنی وہ گم شدگیاں، جن کے بارے میں یہ یقین یا شبہ ہو کہ یہ سیاسی بنیادوں پر ہوئی ہیں، اقوام متحدہ ان کا نوٹس لیتا ہے۔ جنرل اسمبلی نے 20 دسمبر 2006 کو اس مسودے کو منظور کیا اور 6 فروری 2007 کو اسے رکن ممالک کے دستخطوں کے لیے پیش کردیا گیا، اب تک 73 ممالک اس پر دستخط کرچکے ہیں اور چار نے اس کی توثیق کی ہے۔ یہ کنونشن مزید بیس ممالک کی توثیق کے بعد نافذ العمل ہوگا۔ کنونشن کی شق نمبر 2 میں ''جبری گم شدگی'' کی تعریف یوں کی گئی ہے: ''ریاست کے ایجنٹوں یا ایسے افراد کے ذریعے جو با اختیار ہوں اور جنہیں ریاست کی حمایت حاصل ہو، کسی کی گرفتاری، نظر بندی، اغوا یا آزادی سے محرومی کی کوئی اور شکل، جس کے بعد آزادی سے محرومی کو تسلیم بھی نہ کیا جائے یا گم شدہ افراد کے بارے میں معلومات کو چھپایا جائے، جس کی وجہ سے وہ شخص قانون کے تحفظ کے دائرے سے باہر ہوجائے۔'' کنونشن کی شق 1 میں مزید کہا گیا ہے: ''حالات خواہ کتنے ہی غیر معمولی کیوں نہ ہوں، کوئی ملک حالت جنگ میں ہو یا جنگ کے خطرے سے دوچار، داخلی، سیاسی عدم استحکام ہو یا کسی طرح کی ہنگامی حالت، ان میں سے کسی کو بھی جبری گم شدگی کا جواز نہیں بنایا جاسکتا۔'' جبری گمشدگی انسانیت کے خلاف جرم ہے، جس کی مزید وضاحت یوں کی گئی ہے:

جبری گم شدگی کے اقدامات کی تفتیش کی جائے اور ذمے داران کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔

جبری گم شدگی کو ملک کے فوج داری قانون میں جرم کی حیثیت دی جائے۔

اس جرم کا ارتکاب کرنے والے خواہ اس ملک کے شہری نہ بھی ہوں، مگر ملکی حدود کے اندر ان کا مواخذہ کیا جائے۔

مجرموں کو سزا دلانے کے لیے دوسرے ممالک کے سے تعاون کیا جائے، جبری گم شدگی کے متاثرین کی مدد کی جائے، ان کا پتا لگایا جائے اور اگر وہ مرچکے ہوں تو ان کی لاشیں ورثا کے حوالے کی جائیں۔

آزادی سے محرومی کے حوالے سے کم ازکم قانونی معیارات کا احترام کیا جائے، جس میں گرفتاری کو عدالت میں چیلنج کرنے کا حق بھی شامل ہے۔ زیر حراست افراد کے بارے میں ریکارڈ مرتب کیا جائے اور ان کے اہل خانہ اور وکیل کو اسے دیکھنے کی اجازت ہو۔

اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ جبری گم شدگی کے متاثرین کو معاوضے کا حق حاصل ہو۔

ان کنونشن میں شکایات کا اختیاری سسٹم بھی شامل ہے، جس میں فریق ممالک کے شہری کسی گم شدہ شخص کا سراغ لگانے کے لیے کمیٹی سے مدد کے لیے اپیل کرسکتے ہیں۔ ''جبری گم شدگی'' انسانی حقوق کی ایک ایسی خلاف ورزی ہے، جس کے بارے میں لوگ پہلے نہیں جانتے تھے۔ بین الاقوامی سطح پر حال ہی میں ایسے متعدد کیسز سامنے آئے ہیں۔ دنیا بھر میں اس حوالے سے بہت سی تنظیمیں کام کررہی ہیں۔ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ ایک دن کوئی گاڑی آپ کے گھر کے سامنے رکتی ہے۔ مسلح افراد گھر میں گھس آتے ہیں اور آپ کے اہل خانہ میں سے کسی کو زبردستی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، پھر آپ کو اس کی کوئی خبر نہیں ملتی۔ آپ پولیس، اسپتال، حوالات یہاں تک کہ قبرستان بھی جاتے ہیں، لیکن وہ کہیں نہیں ملتے۔ حکام بالا کہتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتے اور آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔

''گم شدگیوں کا ایشو اقوام متحدہ کے انسانی حقوق سے متعلق میکانزم کا حصہ ہے، یعنی وہ گم شدگیاں، جن کے بارے میں یہ یقین یا شبہ ہو کہ یہ سیاسی بنیادوں پر ہوئی ہیں، اقوام متحدہ ان کا نوٹس لیتا ہے۔ جنرل اسمبلی نے 20 دسمبر 2006 کو اس مسودے کو منظور کیا اور 6 فروری 2007 کو اسے رکن ممالک کے دستخطوں کے لیے پیش کردیا گیا، اب تک 73 ممالک اس پر دستخط کرچکے ہیں اور چار نے اس کی توثیق کی ہے۔ یہ کنونشن مزید بیس ممالک کی توثیق کے بعد نافذ العمل ہوگا۔''

بدقسمتی سے اب ایسی صورت حال تواتر سے پیش آنے لگی ہے۔ براہ راست متاثرین پر تشدد کا خطرہ رہتا ہے۔ انہیں ہر طرح کے حقوق سے محروم کردیا جاتا ہے اور کسی کو پتا نہیں ہوتا کہ انہیں کہاں رکھا گیا ہے، اس لیے باہر کی دنیا سے کوئی مدد ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دریں اثناء ان کے دوست اور رشتے دار ان کے بارے میں مسلسل ایک بے یقینی کی کیفیت کا شکار رہتے ہیں۔ مرجانے والوں کا تو ماتم کیا جاتا ہے اور پھر صبر بھی آجاتا ہے، لیکن گم شدہ لوگوں کے رشتے دار کیا کریں؟ مگر...... دنیا بھر میں گم شدہ افراد کے ہزاروں لاکھوں رشتے دار ایسی ہی تکلیف دہ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

بہت سے ممالک میں جہاں گم شدگی کے واقعات پیش آئے ہیں، متاثرین نے خود کو منظم کیا، تاکہ حق اور انصاف کی جدوجہد میں ایک دوسرے کا ساتھ دے سکیں۔ ارجنٹائن میں پلازاڈی مایو کے رشتے داروں کی جدوجہد باقاعدہ تنظیم کی شکل اختیار کرچکی ہے۔ لاطینی امریکہ میں زیر حراست گم شدہ افراد کے رشتے داروں کی ایسوسی ایشن Fodefam 1981ء میں قائم ہوئی، جب کی ایشیائی فیڈریشن 1998 AFAD میں قائم ہوئی۔ بدقسمتی سے دنیا میں ایسے بہت سے مقامات ہیں، جہاں ان تنظیموں کے باہمی تعاون کا فقدان پایا جاتا ہے۔ گم شدہ لوگوں کے اہل خانہ اور این جی اوز گم شدہ افراد کے بین الاقوامی تحفظ کے لیے مسلسل کوششیں کر رہے ہیں، جس کے نتیجے میں اقوام متحدہ اور دوسرے بین الاقوامی فورمز کے قوانین میں بہت سی تبدیلیاں بھی سامنے آئی ہیں۔ 1980ء کے عشرے سے انسانی حقوق کے کارکنان اس کے لیے مہم چلا رہے تھے، جس کے نتیجے میں 2006ء میں متذکرہ بالا کنونشن سامنے آیا۔

اقوام متحدہ کا کنونشن اور امیر ممالک کی غیر سرکاری تنظیمیں اس ضمن میں جنوبی ایشیائی اور دیگر چھوٹے ممالک کی غیر سرکاری تنظیموں کی مدد کرسکتی ہیں۔ ایم فار ہیومن رائٹس Aim For Human Rights، جو ایک غیر سرکاری ڈچ تنظیم ہے، یہ فاؤنڈیشن 1981ء میں تین رفاہی تنظیموں کے اشتراک سے قائم کی گئی تھی۔ اکتوبر 2007 تک اس کا نام نیدر لینڈ ہیومنسٹ کمیٹی تھی۔ یہ انسانیت نواز اقدار کی بنیاد پر دنیا بھر میں انسانی حقوق کے احترام کو یقینی بنانا چاہتی ہے۔ ہر انسان کے کچھ بنیادی حقوق ہیں، یعنی یہ حق کہ اس کے ساتھ کوئی امتیاز روا نہ رکھا جائے، متوازن حالتِ کار، آزادیٔ تقریر اور طبی سہولتوں کا حق اور دیگر بہت سے حقوق بھی شامل ہیں۔ یہ حقوق ہمیں بین الاقوامی معاہدوں میں ملتے ہیں اور پوری دنیا پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے انسانی حقوق پر ہمیشہ عمل نہیں کیا جاتا۔ دنیا بھر میں افراد کا استحصال ہوتا ہے، ان کے ساتھ امتیاز روا رکھا جاتا ہے، ان پر تشدد کیا جاتا ہے اور خاموش رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے، تب لوگ اپنے حقوق کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور ایم فار ہیومن رائٹس جیسی تنظیمیں ان کی مدد کرتی ہیں، کیوں کہ یہ تنظیمیں ایک ایسی دنیا چاہتی ہیں، جہاں سب کے حقوق کا احترام کیا جائے، ایسی دنیا جہاں حکومتیں صرف وعدے نہیں عمل بھی کرکے دکھائیں۔

حکومتوں، غیر سرکاری تنظیموں اور کاروباری اداروں کی سرگرمیاں، کسی ملک میں انسانی حقوق کی صورت حال پر منفی یا مثبت اثرات مرتب کرسکتی ہیں۔ کسی پالیسی سے ہمیشہ وہ سب کچھ حاصل نہیں ہوتا، جو ابتدا میں سوچا جاتا ہے۔ ایم فار ہیومن رائٹس نے ایسے طریقے وضع کیے ہیں، جن کی مدد سے انسانی حقوق کی پالیسیوں اور قوانین کے اثرات کی پیمائش کی جاسکتی ہے۔ یوں مجرد انسانی حقوق کے معیارات کو عملی مقاصد میں تبدیل کردیا جاتا ہے اور معروضی طور پر ان کی جانچ ممکن ہوجاتی ہے۔ ایم فار ہیومن رائٹس ایشیا، لاطینی امریکا، افریقہ اور یورپ میں اپنی ساتھی تنظیموں کے ساتھ مل کر کام کررہی ہے۔ ظاہر ہے مقامی تنظیمیں پہلے حقوق کی خلاف ورزی ہوتے دیکھتی ہیں، تب ہی کوئی قدم اٹھاتی ہیں۔ 1992 میں ایمنسٹی انٹرنیشنل نے دنیا بھر میں جبری گم شدگیوں کے خلاف مہم چلائی تھی، تب گم شدہ افراد کے رشتے داروں کی تجاویز کی بنیاد پر ''مربوط یک جہتی'' کا پروگرام شروع کیا گیا۔ اسی سال گم شدہ افراد کے اہل خانہ کی کانفرنس منعقد کی گئی، جس میں ایک ایسے پروجیکٹ کی ضرورت واضح طور پر محسوس کی گئی، جو ان تمام تنظیموں کے درمیان تعاون اور رابطے پیدا کرے۔ اس کانفرنس کے اختتام پر یہ بات بھی سامنے آئی کہ ان تنظیموں کے پاس خصوصی معلومات، علم اور مہارتوں کے ساتھ بین الاقوامی توجہ کا بھی فقدان ہے، چنانچہ 1995ء میں مربوط یک جہتی پروگرام کا آغاز ہوا، یوں گم شدہ افراد کے خاندانوں کی تنظیموں کا نیٹ ورک بین الاقوامی سطح پر پھیلتا چلا گیا۔ اس پروگرام کا طویل المیعاد مقصد دنیا بھر میں جبری گم شدگی کو ختم کرنا، بنیادی مقصد بے نقاب کرنا اور انصاف کو یقینی بنانا ہے۔ جبری گم شدگی کے خلاف جدوجہد، نیٹ ورکس بنانے اور انہیں ترقی دینے، ان کی استعداد میں اضافے اور مقامی تنظیموں کے ساتھ تعاون کے ذریعے کی جاسکتی ہے۔ 1998ء میں گم شدگیوں کے خلاف ایشیائی فیڈریشن کے قیام کے موقع پر بھی اس پروگرام نے تعاون کیا اور حال ہی میں اس نے یورومیڈیٹرینین فیڈریشن کے قیام میں بھی مدد کی ہے۔ گم شدہ افراد کے اہل خانہ کی استعدادکاری کے لیے تربیتی سیشنز، سیمینار اور معلومات کی منتقلی کے طریقے بھی اختیار کیے جاتے ہیں۔ ان سرگرمیوں کے ذریعے قانونی اور انتظامی مہارتوں کو بہتر بنانا اور گم شدگیوں کے نفسیاتی و سماجی اثرات سے نمٹنا سکھایا جاتا ہے۔ ●●

اہم خبروں کا اختصار

ملکی

● کلکتہ- مرکزی وزیر خارجہ پرنب مکھرجی نے یہاں ایک تقریب میں کہا کہ اسلام اور دہشت گردی میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ دراصل مذہب میں دہشت گردی کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی خواہ کوئی بھی مذہب کیوں نہ ہو۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مذہبی کتابوں کو غلط طریقے سے پیش کیا جاتا ہے جو غیر سماجی عناصر کی ملک توڑنے کی سازش ہوتی ہے۔

● ناسک- یہاں کی ایک عدالت نے مالیگاؤں بم دھماکہ کے کلیدی ملزم معطل لیفٹیننٹ کرنل پرساد پروہت کی عدالتی تحویل کی مدت ۳۰رجنوری تک بڑھادی ہے۔

● نئی دہلی- بھارتیہ بال کلیان پریشد کے زیراہتمام قومی بہادری ایوارڈ ۲۰۰۸ء کے لئے ۲۰ بچوں کا انتخاب کیا گیا ہے جس میں ۸ لڑکے اور بارہ لڑکیاں شامل ہیں۔ ایک بچے کو مرنے کے بعد یہ اعزاز دیاجارہاہے۔ ۱۹۵۷ء سے ہرسال یوم جمہوریہ کے موقع پر ۲۶رجنوری کو دیئے جانے والے اس ایوارڈ کو اب تک ۵۴۱ لڑکے اور ۲۱۵ لڑکیاں کل ۷۵۶ بچے حاصل کرچکے ہیں۔

● جمشید پور- شمالی ہند کے لوگوں کے خلاف توہین آمیز تبصرہ کے معاملہ میں جمشید پور (جھارکھنڈ) کی ایک عدالت نے مہاراشٹر نونرمان سینا کے سربراہ راج ٹھاکرے کے خلاف جاری غیرضمانتی وارنٹ پرکارروائی کے لئے ممبئی کے پولیس کمشنر کو ریمائنڈر جاری کرتے ہوئے سماعت کی اگلی تاریخ ۱۷رفروری طے کردی ہے۔

● نئی دہلی- ایجوکیشن ڈائریکٹوریٹ نے راجدھانی کے پبلک اسکولوں کی فیس میں اضافہ کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے تمام غیر امدادی پبلک اسکولوں کو فیس نہ بڑھانے کا حکم جاری کیا ہے۔ حکم کی خلاف ورزی کی صورت میں دہلی اسکول ایجوکیشنل ایکٹ ۱۹۷۳ء کے تحت کارروائی کی بات کہی گئی ہے۔

● گوہاٹی- آسام پولیس نے یونائیٹڈ لبریشن فرنٹ آف آسام (الفا) کے اسلحہ کا ایک بڑا ذخیرہ برآمد کیا ہے اس کے علاوہ ۲۰ لاکھ نقد روپئے بھی برآمد کئے ہیں۔

● نئی دہلی- مرکز نے ریاستوں کو واضح طور پر یقین دلایا ہے کہ دہشت گردانہ معاملات کی تفتیش کے لئے قومی تفتیشی ایجنسی میں کوئی بھی ایسی شق نہیں ہے جس کا بے جا استعمال ہوسکے اس لئے اس کا اندیشہ کسی کو نہیں ہونا چاہئے۔

● اجمیر- جموں وکشمیر کے وزیر اعلیٰ عمر عبداللہ نے یہاں کہا کہ ان کی پارٹی نیشنل کانفرنس کانگریس کے ساتھ مل کر لوک سبھا الیکشن لڑے گی۔

● رانچی- جھارکھنڈ کے گورنر سید سبط رضی نے ۱۲رجنوری کو وزیر اعلیٰ شیبوسورین کے استعفیٰ کے بعد ریاست میں پیدا ہوئے سیاسی بحران سے متعلق اپنی رپورٹ مرکز کو بھیج دی۔

● ممبئی- جموں وکشمیر کے سابق وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ نے کہا ہے کہ بیٹے عمر عبداللہ کے وزیر اعلیٰ بننے کے بعد اب میں قومی سیاست میں سرگرم ہوجاؤں گا، سیاست سے کنارہ کشی کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

● نئی دہلی- بودھ مذہب کے رہنما دلائی لامہ نے یہاں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ایک پروگرام میں کہا کہ دہشت گردی کو اسلام سے جوڑ دینا اور یہ سمجھنا کہ سبھی مسلمان دہشت گرد ہیں قطعی مناسب نہیں۔ اس موقع پر جامعہ کے وائس چانسلر پروفیسر مشیرالحسن نے کہا کہ اسرائیل دنیا کے سامنے یہودی مذہب کو بدنام کرنے کی کوشش کررہاہے۔ اسرائیلی رویوں کی وجہ سے شدت پسندی اسرائیلیوں کی علامت بن گئی ہے۔

● نئی دہلی- ہندوستان کی مغربی ریاست گجرات کے ساحلی علاقے کیری کریک میں ہندوستانی کوسٹ گارڈ نے پاکستان کے ۱۷ ماہی گیروں کو حراست میں لیا ہے اور ان کی دو کشتیاں بھی ضبط کی گئی ہیں۔

● جے پور- سابق نائب صدر جمہوریہ بھیروں سنگھ شیکھاوت نے راجستھان کے وزیر اعلیٰ اشوک گہلوت کو خط لکھ کر مطالبہ کیا ہے کہ وہ سابق وسندھرا راجے کی حکومت پر ۲۲ ہزار کروڑ روپئے کے اسکینڈل سے متعلق کانگریس کے الزام کی جانچ کرائیں۔

● نئی دہلی- سپریم کورٹ نے عراق کے تیل کے عوض خوراک اسکینڈل معاملہ کی سماعت کے لئے جولائی کا مہینہ مقرر کیا ہے۔

● نئی دہلی- حکومت ہند نے میڈیا میں براہ راست غیرملکی سرمایہ کاری اور ہندوستان میں غیرملکی اخبارات اور ہندوستانی اشاعت کی اجازت دے دی ہے۔

بین الاقوامی

● اسلام آباد- پاکستان کے وفاقی وزیر داخلہ رحمٰن ملک نے کہا کہ ممبئی حملوں کے بارے میں ہندوستان کے ذریعہ سونپے گئے ثبوت کافی ہیں۔ پاکستانی تفتیشی ایجنسی اپنی تفتیش دس دنوں کے اندر پوری کرے گی۔

● اسٹاک ہوم- سویڈن کی سب سے بڑی سیاسی جماعت سوشل ڈیموکریٹ اور اپوزیشن کی ایک اور پارٹی لیفٹ پارٹی نے مارچ میں ہونے والے ڈیوڈکپ ٹینس ٹورنامنٹ میں اسرائیل کے بائیکاٹ کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کی وجہ غزہ میں فلسطینیوں کی نسل کشی بتائی ہے۔

● انقرہ- ترکی کے وزیر اعظم طیب اردگان نے کہا ہے کہ سلامتی کونسل کی جانب سے غزہ میں جنگ بندی کی قرارداد کو نظر انداز کرنے پر اسرائیل کو اقوام متحدہ میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اقوام متحدہ کی قرار دادوں کی خلاف ورزی اسرائیل کی عادت بن گئی ہے۔ ایک ایسے ملک کو جو ادارہ کی قردادوں کو نظر انداز کرتا ہے اس میں داخل ہونے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔

● کابل- یہاں جرمن سفارتخانے کے باہر ایک خودکش حملے میں دو امریکی فوجیوں سمیت پانچ افراد ہلاک اور ۱۲ امریکی فوجیوں سمیت ۲۵ سے زائد زخمی ہوگئے ہیں۔

● اسلام آباد- پاکستان کے صدر آصف علی زرداری نے کہا ہے کہ ہندوستان مشترکہ تحقیقات کے لئے پاکستان کی پیش کش کا مثبت جواب دے۔ یہ بات انہوں نے ہندوستان میں پاکستانی ہائی کمشنر شاہد ملک سے گفتگو کرتے ہوئے کہی۔

● بیروت- لبنان میں حماس کے نمائندہ اسامہ ہمدان نے بیروت میں کہا کہ اسرائیلی جارحیت کے خلاف ہماری جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ہمارے مطالبات پورے نہیں ہوتے۔ اگر اسرائیل یکطرفہ جنگ بندی کا اعلان بھی کرتا ہے تو وہ ہمیں تسلیم نہیں۔

● دوحہ- قطر کے وزیر اعظم شیخ حماد بن جسیم الثانی نے کہا ہے کہ خلیجی عرب ممالک میں صرف قطر ہی ایسا ملک ہے جس کے اسرائیل سے تعلقات ہیں لیکن اب ہم اسرائیل سے کہیں گے کہ وہ دوحہ میں واقع اپنا تجارتی دفتر بند کرے اور یہاں سے اپنا عملہ حالات بہتر ہونے تک واپس بلالے۔ ادھر موریطانیہ نے کہا ہے کہ اس نے اسرائیل سے اپنے سیاسی واقتصادی تعلقات ختم کرلئے ہیں۔

● ماسکو- روس نے لیبیا، شام اور یمن کے قریب مستقبل میں بحری اڈے تعمیر کرنے سے متعلق ذرائع ابلاغ کی خبروں کی تردید کی ہے

● واشنگٹن- امریکہ نے ایران سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے والے القاعدہ کے تین سرکردہ ارکان اور اسامہ بن لادن کے بیٹے سعد بن لادن کے کھاتے منجمد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

● دوحہ- شام کے صدر بشیر الاسد نے جو ترکی کی ثالثی میں اسرائیل سے بالواسطہ امن بات چیت کررہے تھے، کہا ہے کہ غزہ پر اسرائیلی حملے کے بعد عرب امن پیش رفت اب ختم ہوگئی ہے۔

● بیجنگ- شمالی کوریا نے جوہری ہتھیار بنانے کے لئے کافی پلوٹونیم جمع کرلیا ہے جس سے چار سے پانچ تک جوہری بم بنائے جاسکتے ہیں۔ یہ بات پیانگ یانگ میں شمالی کوریا کے افسروں سے بات چیت کے بعد واپس آئے امریکی افسر ہیریسن نے بیجنگ میں نامہ نگاروں سے کہی۔

● کیف- یوکرین کے صدر وکٹریشن شنکو نے کہا کہ یورپ کے لئے روس گیس کی سپلائی کے معاہدے کو تجدید کرنے کا معاملہ اس بات سے جڑا ہوا ہے کہ روس یوکرین کے ساتھ ۲۰۰۹ء کے لئے ایک سمجھوتہ کرے۔

● ڈھاکہ- حکومت جاپان نے اعلان کیا ہے کہ اس نے بنگلہ دیش کو تقریباً ۴۴ کروڑ ڈالر کی امداد کا یقین دلایا ہے جو بجلی پیدا کرنے اور پل کی تعمیر کے پروجیکٹوں پر خرچ کی جائے گی۔ یہ بات جاپان کے وزیر اعظم تاروآسو نے بنگلہ دیشی وزیر اعظم شیخ حسینہ کو ٹیلی فون پر بتائی۔

● لندن- برطانیہ میں سابق فوجی افسروں کے ایک گروپ نے انگریزی اخبار ٹائمز کو بھیجے گئے ایک خط میں کہا ہے کہ جوہری دفاعی نظام کا کوئی فائدہ نہیں اسے ختم کردینا چاہئے اور آزادانہ جوہری اسلحہ قائم رکھنا چاہئے۔

نئے امریکی صدر سے کسی بڑی تبدیلی کی اُمید نہیں

فہیم پٹیل

۲۰رجنوری ۲۰۰۱ء سے ایک سیاہ دور کا آغاز ہوا جس نے پوری دنیا کے حالات میں تبدیلی پیدا کردی۔ اگر ان آٹھ برسوں کو دنیا کی تاریخ کا بدترین دور کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ان آٹھ برسوں کے دوران جارج بش نے دنیا، بالخصوص مسلم دنیا کو خون میں نہلادیا ہے، جس کے باعث مسلم دنیا کے علاوہ یورپی ممالک کی تشویش میں اضافہ ہوگیا ہے۔ جارج بش نے ۹/۱۱ کے بعد سے جنگ کا کھیل شروع کردیا جس سے لاکھوں مظلوم ومعصوم مسلمان شہید ہوگئے۔ ان تمام تر اقدامات کے باعث دنیا بھر میں امریکہ کے خلاف نفرت میں اضافہ ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ خود امریکی عوام نے انتخابات میں جارج بش کی ری پبلکن پارٹی کو رد کرتے ہوئے امریکہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک سیاہ فام کو منتخب کیا۔ نومنتخب امریکی صدر بارک اوباما سے دنیا نے بہت زیادہ اُمیدیں وابستہ کررکھی ہیں۔ لیکن اوباما امریکہ کے مشکل ترین حالات میں منتخب ہوئے ہیں۔ اُن کے لئے مشکلات کے انبار لگے ہوئے ہیں، جیسے افغانستان اور عراق کی جنگ، ایران اور روس کے ساتھ معاملات۔ اس کے علاوہ امریکی معیشت شدید مشکلات کا شکار ہے جب کہ دنیا کے دیگر ممالک جیسے چین، برازیل اور بھارت کی معیشت میں روز افزوں ترقی ہورہی ہے جو امریکہ کے لئے باعث تشویش ہے۔ اس کے علاوہ عراق جنگ کے بعد امریکہ اور یورپی ممالک کے تعلقات میں بھی خرابی پیدا ہوئی ہے لیکن بارک اوباما نے اس بات کا برملا اظہار کیا ہے کہ وہ عراق سے امریکی فوج کا انخلاء جلد از جلد کریں گے جس کے بعد امریکہ اور یورپی ممالک کے تعلقات سازگار ہونے کی امید ہے۔ اس کے علاوہ مشرق وسطیٰ کا معاملہ امریکہ کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ مشرق وسطیٰ میں ایک طرف عرب ممالک ہیں جن سے تعلقات بہتر رکھنا امریکہ کے لئے بہت ضروری ہے، اور دوسری جانب اسرائیل ہے۔ بارک اوباما نے اپنی انتخابی مہم میں اسرائیل کی حمایت کی تھی، لیکن اگر وہ کامیابی کے بعد بھی ایسا کریں گے تو عرب ممالک کی مخالفت کا خدشہ ہے۔

امریکہ کے لئے مشرق وسطیٰ کا ایک اہم مسئلہ ایران کی ایٹمی قوت ہے۔ امریکہ ایران سے مذاکرات کے ذریعے اس مسئلے کو حل کرے گا یا پھر فوجی طاقت سے؟ کیونکہ گزشتہ دنوں ہی وائٹ ہاؤس سے ایک بیان جاری ہوا تھا کہ اسرائیل نے امریکہ سے عراق کے ذریعہ ایران پر حملے کی اجازت مانگی تھی مگر امریکہ نے اجازت نہیں دی۔ جس سے ایسا لگ رہا ہے کہ امریکہ ابھی مزید اُلجھنے کے بجائے گفت وشنید سے مسئلے کو حل کرنے کا خواہاں ہے۔

بارک اوباما نے افغان جنگ، پاکستان، افریقہ، سوڈان اور صومالیہ سے تعلقات کے حوالے سے بش کی پالیسیوں کو جاری رکھنے کا اعلان کیا ہے۔ یعنی افغانستان میں جنگ جاری رہے گی اور اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کو اس جنگ میں شامل رہنا پڑے گا۔ یعنی پاکستان میں امریکی حملے جاری رہیں گے۔ گوکہ پاکستان کے وزیر اعظم تو اس خوش فہمی میں ہیں کہ امریکہ میں نئی انتظامیہ کے آنے سے حملے بند ہوجائیں گے مگر نومنتخب امریکی صدر کے ارادے کچھ اور ہیں۔ امریکہ پوری دنیا میں امن کا بول بالا کرتا ہے لیکن اس کے اقدامات بالکل اس کے برعکس ہوتے ہیں۔ اُس نے پہلے تو افغانستان میں اسامہ بن لادن کی تلاش کے لئے جنگ شروع کی، لیکن آٹھ برس گزر جانے کے بعد بھی وہ اسامہ بن لادن کو تلاش کرنے میں ناکام رہا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ دنیا خصوصاً مسلم ممالک بارک اوباما سے اس لئے امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں کہ ان کا نام بارک حسین اوباما ہے۔ اگر یہی بات ہے تو یہ اُمیدیں شاید کبھی پوری نہ ہوسکیں۔ کیونکہ جو بارک اوباما کے اقدامات ہیں وہ ان کے نام پر بھاری ہیں۔ مثلاً انہوں نے اپنی انتخابی مہم میں برملا طور پر اسرائیل کی حمایت کی اور ایران کی مخالفت، جو کسی بھی مسلم کے لئے ممکن نہیں۔ اسی طرح بارک اوباما نے منتخب ہوتے ہی اپنے سیکیورٹی آفیسر کے لئے ایک یہودی کو منتخب کیا، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ اپنی حلف برداری کے بعد کوئی غیر معمولی قدم نہیں اٹھائیں گے۔

اس کے علاوہ ایک اور مثال ہم یوں لے سکتے ہیں کہ غزہ میں گزشتہ کئی روز سے اسرائیلی دہشت گردی جاری ہے۔ یہ ایسی دہشت گردی ہے کہ اس کے خلاف خود دنیا بھر میں یہودی بلکہ اسرائیل کے اندر لاکھوں یہودیوں نے احتجاج کیا ہے، لیکن نومنتخب امریکی صدر نے اس کا ذمہ دار بھی حماس کو قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حماس اسرائیل پر راکٹ حملے بند کرے۔ حالانکہ حماس کی جانب سے کئے جانے والے راکٹ حملوں میں اب تک ۱۵ یا ۲۰ اسرائیلی ہلاک ہوئے ہوں گے جب کہ اسرائیلی دہشت گردی میں اب تک ۱۰۰۰ سے زائد فلسطینی شہید اور ۵۰۰ سے زائد زخمی ہوگئے ہیں۔ اس کے علاوہ ۴۲۰۰۰ سے زائد فلسطینی بے گھر ہوگئے ہیں۔ اسرائیلی وحشیانہ مظالم اور حماس کی جانب سے کئے جانے والے راکٹ حملوں کا کوئی موازنہ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود امریکہ کے نومنتخب صدر حماس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ راکٹ حملے بند کرے۔

●●

مسرور عالم: ایک داعی ایک معلم

اپنے نام کی طرح زندگی بھر مسرور رہنے والے مسرور بھائی نئے سال کا پہلا زخم دے کر یکم جنوری ۲۰۰۹ء کی شب ۸ بجے اس دارفانی سے رخصت ہوگئے۔ ۱۹۷۰ء میں تحریک اسلام سے متاثر ہوئے، رکن بنے، ناظم ضلع بنے اور زندگی کے آخری ایام تک اقامت دین کے نصب العین پر نہ صرف خود قائم رہے بلکہ دوسرے رفقاء کو بھی منظم ومتحرک کرتے رہے۔ ضلع بھوجپور اور ضلع بکسر کے دور دراز علاقوں میں مفوضہ ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے دورے کرتے رہے۔ برادران وطن کے سامنے ہندی زبان میں تقریر بھی کرتے اور انہیں دعوتی لٹریچر بھی دیتے۔ اجتماعات، دعوت افطار، عیدملن کے علاوہ بھی ایسے مواقع تلاش کرتے رہتے جن کے ذریعہ دعوت دین کا کام انجام پاتا۔ مخالفین سے الجھنے سے کتراتے، لغویات کا جواب خاموشی سے دیتے۔ مرحوم سائنس (بائیلوجی) سے گریجویشن کرنے کے بعد شہر سہسرام کے اقلیتی تعلیمی ادارے ملت اُردو ہائی اسکول میں ٹیچر بنے اور بعد میں گورنمنٹ بہار کے تحت بکرم گنج انٹر کالج میں بحیثیت مدرس بحال ہوکر تادم مرگ کام کرتے رہے۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، اجتماعات میں دری بچھانے سے لے کر خطاب کرنے اور مہمانوں کی ضیافت تک کا سارا کام خود انجام دیتے۔

بقیہ: نئے امریکی صدر ملک کو تباہی سے بچانے کی فکر کریں

اگر ہم 20 ہزار 30 ہزار یا اس سے بھی زیادہ ہزاروں کی تعداد میں وہاں فوجوں کو بھیج دیں گے تو آخر ان کا مشن کیا ہوگا؟ بیں وچ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں افغانستان میں فوجی آپریشن کا سب سے اہم نتیجہ اب تک یہی برآمد ہوا ہے۔ ریڈیکل اسلام پسندوں کو پاکستان کی طرف دھکیل دیا گیا۔ نتیجہ یہ کہ افغانستان کو استحکام بخشنے کی کوشش میں پاکستان کو کمزور کرنے کا کام کیا گیا۔ اس طرح نتیجہ تو کچھ بھی برآمد نہیں ہوا۔ آج کوئی بھی ملک امریکہ کی قومی سیکوریٹی کے لیے کوئی بڑا خطرہ پیدا نہیں کرسکتا۔ اس سے پاکستان کا مستقبل خراب ہوتا ہے۔ افغانستان کو غلام بنانے کی کوشش میں نیوکلیائی پاور ملک کو کمزور کرنا بہت بڑی غلطی ہوگی۔

افغانستان میں ہمارا فائدہ اس میں ہے کہ اس کو ایسے دہشت گردوں کی جنت نہ بننے دیا جائے جو ہمارے اوپر حملہ کرسکیں۔ اس کے لیے اتنے بڑے بڑے پیمانے پر فوجی آپریشنوں کی ضرورت نہیں ہے، جس کا نئی حکومت منصوبہ بنارہی ہے۔ اس کے لیے ہول سیل میں قبضہ کی ضرورت نہیں ہے اس کے لیے انسانی خزانوں کا لامتناہی سیلاب برپا کرنے اور امریکہ کی تعمیر نو کی قیمت پر افغان حکومت کو ٹیکس دہندگان کے ڈالر اندھا دھند سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کہ وہ حکومت خود ہماری آنکھوں کے سامنے ریزہ ریزہ ہوکر بکھر رہی ہے۔ وہ حکومت پوری طرح بھرشٹ ہے، وہ گینگسٹروں کی حکومت ہے، خونخوار، مکار درندوں کی حکومت ہے۔ جو روایتی طور پر ہاتھ اٹھا اٹھا کر سیلوٹ کرتے ہیں اس تباہی کے سلسلے میں ٹائمز کے ڈیکسٹر فلکنس کا جائزہ مطالعہ کیجئے۔ امریکہ اور دوسری غیر ملکی امداد کی شکل میں آنے والی بے انتہا دولت کی بنیاد پر افغان حکومت پوری طرح بھرشٹ ہوچکی ہے۔ نچلی سطح کے ٹریفک پولیس والے سے لے کر صدر کرزئی کے اہل خاندان تک کی یہ حکومت سات سال قبل طالبان کی حکومت کے ملبہ پر کھڑی کی گئی تھی جو اس وقت صرف ان لوگوں کو دولت مند بنانے کے لیے قائم ہے جو اس کو چلارہے ہیں۔ اگر اوبامہ افغانستان میں مزید فوجیں بھیجنے کی غلطی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں سیدھے ٹیلی ویزن پر جاکر امریکی عوام کو بالکل واضح الفاظ میں بتانا ہوگا کہ آخر وہ کونسا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں، انہیں اپنے مشن کی وضاحت کرنی ہوگی اور واضح حکمت عملی پیش کرنی ہوگی۔ انہیں یہ ذمہ داری اپنے سر لینی ہوگی کہ وہ اس حد تک کیوں جانا چاہتے ہیں، اب یہ بارک اوبامہ کی جنگ ہوگی۔ (ع ق)

مولانا عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی کے انتقال پر تعزیتی نشست

علی گڑھ- مولانا عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی جامعی کے انتقال پر انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح علی گڑھ اور ادارہ علوم القرآن علی گڑھ کے زیراہتمام ایک تعزیتی نشست منعقد ہوئی۔ صدر ادارہ علوم القرآن وناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے مولانا کے انتقال پر رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مرحوم مادر علمی مدرسۃ الاصلاح کے عہد زریں کی یادگار تھے۔ ان کے انتقال سے ایک کا عہد خاتمہ ہوا ہے۔ مولانا کی علمی شخصیت اور صلاحیت کا اندازہ ہندو بیرون ہند سے شائع ہونے والے رسائل وجرائد میں ان کے بکھرے ہوئے مضامین ومقالات سے لگایا جاسکتا ہے لیکن زبردست صلاحیت وقابلیت کے باوجود اپنے استاد مرحوم مولانا اختر احسن اصلاحی اور ان کے استاذ امام فراہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے لئے گوشہ گنامی ہی پسند کیا۔

مولانا اصلاحی ۱۹۴۵ء سے تادم مرگ معتمد مال رہے۔ اس طویل عرصہ میں انہوں نے مادر علمی کی محبت میں بے لوث خدمات انجام دیں۔ پروفیسر محمد راشد ندوی سابق چیئرمین شعبہ عربی اے ایم یو علی گڑھ نے کہا کہ مرحوم ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنے اور اہل خانہ کے بجائے دوسروں کے لئے سب کچھ کیا۔ مولانا کی وفات مدرسۃ الاصلاح اور وابستگان مدرسۃ الاصلاح کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے جس کا احساس ایک طویل عرصہ تک برقرار رہے گا۔ اس موقع پر ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، مولانا مرحوم کے صاحبزادے ڈاکٹر جمشید ناصر، جناب نسیم احمد خاں اور دیگر نے بھی اظہار خیال کیا۔

غزہ پر اسرائیلی مظالم کی مذمت

علی گڑھ- "برسوں سے فلسطینی مسلمان اسرائیلی ظلم وبربریت کا شکار ہیں۔ حالیہ دنوں میں فلسطین میں جو کچھ ہورہا ہے اس نے تو سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ عرب ممالک کی حالت اور رویہ انتہائی افسوس ناک ہے۔ یہ ان کی حمایت تو درکنار اس جرم میں اسرائیل کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔" ان خیالات کا اظہار پروفیسر اشتیاق احمد ظلی ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ اور صدر ادارہ علوم القرآن نے جماعت اسلامی ہند مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی طرف سے ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی میں منعقد ایک کانفرنس میں کیا۔ ڈاکٹر عرشی خان ریڈر شعبہ سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے کہا کہ اب تک اسرائیل نے جو وحشیانہ تباہی مچائی ہے وہ اندازے سے کہیں زیادہ ہے۔ انہوں نے حماس کے مطالبات کو جائز قرار دیا۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے کہا کہ ان لوگوں سے عدل وانصاف اور حق کی حمایت کی توقع رکھنی فضول ہے جو اسرائیل کی کھلے یا خفیہ طور پر حمایت کررہے ہیں۔ انہوں نے امت مسلمہ کی حیثیت سے یہ ذمہ داری یاد دلائی کہ وہ مظلوم کی حمایت کریں، ظالم کو ظلم سے روکیں اور اپنی استطاعت بھر مظلوم فلسطینیوں کی تائید وحمایت میں اپنی آواز بلند کریں۔ ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی نے کانفرنس کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی۔ جب کہ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے قراردادیں پیش کیں۔ جناب اشہد جمال ندوی نے کنوینر کے فرائض انجام دیئے۔

بھوپال میں غزہ پر اسرائیلی جارحیت کے خلاف آرڈینیشن کمیٹی فار انڈین مسلم مدھیہ پردیش کی طرف سے اقبال میدان میں ایک احتجاجی جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ جلسہ کی صدارت شہر قاضی جناب عبداللطیف نے کی۔ انہوں نے فلسطینیوں پر اسرائیل کی طرف سے جاری مظالم کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے مسلمانوں سے باہم اتحاد قائم کرنے اور اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کی اپیل کی۔ اس موقع پر مولانا سید شرافت علی ندوی، سینئر صحافی مجاشنکر بردینا، مولانا ضیاء اللہ قاسمی، جناب رضی الحسن حیدری، جناب وقار احمد رضوی، مولانا عبدالقدوس اور دیگر شخصیات نے بھی اظہار خیال کیا۔ جلسہ میں بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ کمیٹی نے مرکزی وزیر خارجہ پرنب مکھرجی اور عرب لیگ کے جنرل سکریٹری عمر موسیٰ کے نام گورنر کو میمورنڈم بھی دیا۔

نیکی کو پھیلائیں

ادارہ وائس آف قرآن پچھلے کئی برسوں سے خواہش مند حضرات کو قرآن کریم کے تراجم مفت فراہم کررہاہے۔ ادارے نے انگریزی ہندی، مراٹھی اور گجراتی زبان میں ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی اور مقدمہ تفہیم القرآن بھی شائع کیا ہے۔ یہ بڑ اور تقویٰ ہے اس کو زیادہ سے زیادہ پھیلائیں۔ ہم سے درج ذیل نمبروں پر رابطہ کریں:

اقبال مسالہ والا 9820182816

(معاون، محمود پٹیل) 9869033859

ترکی میں حکومت کیخلاف بغاوت ناکام

انقرہ- ترکی کی پولیس نے اسلام پسند حکومت کے خلاف بغاوت کی کوشش کو ناکم بناتے ہوئے تین ریٹائرڈ فوجی جرنیلوں سمیت ۴۰ افراد کو گرفتار کیا ہے اور بغاوت کی سازش کا پردہ فاش کیا ہے۔ بغاوت کی سازش اور منصوبہ بندی میں ملوث افراد کے خلاف کارروائی استنبول کی عدالت کے حکم پر کی گئی جس میں مشتبہ افراد کو پکڑنے کے لئے کہا گیا تھا۔ یہ آپریشن انقرہ اور استنبول سمیت چھ صوبوں میں ایک ساتھ شروع کیا گیا۔ گرفتار ہونے والوں میں نیشنل سیکوریٹی کونسل کا ایک رکن بھی شامل ہے۔

بنام ارکان یوپی مشرق

مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب کے لکھنؤ، حلقہ اترپردیش مغرب منتقل ہوجانے کی وجہ سے حلقہ اترپردیش مشرق کی مجلس شوریٰ کی ایک نشست خالی ہوگئی ہے، جسے پُر کرنے کے لئے ارکان حلقہ کی رائیں مطلوب ہیں۔ براہ کرم دستور جماعت کی دفعہ (۴۹) کو ملحوظ رکھ کر آپ اپنی رائے اس طرح ارسال فرمائیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ ۱۵رفروری ۲۰۰۹ء تک لازماً مرکز کو موصول ہوجائے۔ واضح ہو کہ اس کے بعد موصول ہونے والی رائیں شمار نہیں کی جاسکیں گی۔ نوٹ: ذیل میں حلقہ کی مجلس شوریٰ کے موجودہ ارکان کی فہرست درج ذیل ہے، ان میں سے کسی کے حق میں رائے نہ دیں۔

فہرست موجودہ ارکان مجلس شوریٰ

(۱)	مولانا محمد ظہیر عالم فلاحی	۱۷۹
(۲)	مولانا نظام الدین اصلاحی	۹۱
(۳)	جناب محمد نسیم اشرف	۳
(۴)	جناب محمد اکرم خان	۵۱۳
(۵)	مولانا عبدالرافع مظہری	۳۴۰
(۶)	مولانا طارق فارقلیط فلاحی	۲
(۷)	جناب عبیدالرحمٰن ازہر	۲۸۸
(۸)	مولانا محمد طاہر مدنی	۸۴
(۹)	مولانا محمد عمران فلاحی	۹۰
(۱۰)	مولانا اشفاق احمد اصلاحی	۱۲۶
(۱۱)	مولانا محمد صابر فلاحی	۲۸۹
(۱۲)	مولانا انعام اللہ فلاحی	۳۸۰

قیم جماعت از مرکز

۱۵رجنوری ۲۰۰۹ء

تحریکی ادب

اقامت دین

اگر ہم اپنے ذمے صرف تبلیغ دین ہی کا فرض رکھتے تو ہمارا کام بہت ہلکا تھا۔ تبلیغ کی ذمہ داریاں زیادہ گراں نہیں ہیں۔ ایک شخص نماز کی تبلیغ کرتا ہے، وہ لوگوں کو ارکان نماز اور طریقہ نماز سے متعارف کراتا ہے اور مسجد کی ضرورت سے آگاہ کرتا ہے۔ مبلغ کی حیثیت سے اس کا کام یہاں ختم ہوگیا، کیونکہ تبلیغ کی حدود تلقین سے آگے نہیں بڑھتیں۔ لیکن جس شخص نے اپنے ذمے صرف تبلیغ صلوٰۃ نہ لے رکھی ہو، بلکہ اقامتِ صلوٰۃ بھی ہو، اس کے کام کی حدود اس سے بہت آگے بڑھ جاتی ہیں۔ اس کے ذمے یہ بات بھی ہوتی ہے کہ وہ مسجد بنائے بھی اور اس کا انتظام وانصرام بھی کرے اور اس کی تعمیر کے لئے اینٹ چونا سمنٹ بھی فراہم کرے۔ یہ سارے کام جب وہ کررہا ہوتا ہے تو دُور سے دیکھنے والا اسے شاید کسی دُنیوی شغل میں منہمک سمجھتا ہو اور یہ جان سکتا ہو کہ یہ شخص عمارت کے لئے جو عمارتی سامان فراہم کررہا ہے وہ اقامت صلوٰۃ کا ضروری حصہ ہے اور اقامت صلوٰۃ اس وقت تک ہو نہیں سکتی، جب تک مسجد نہ بنے اور مسجد کی تعمیر کے لئے لازم ہے کہ اینٹ، پتھر اور چونا بہم پہنچایا جائے۔ جب مسجد تعمیر ہوگئی اور اس کی شکل وصورت ہر نگاہ کو دکھائی دینے لگی، تب معلوم ہوگا کہ یہ اقامت صلوٰۃ کا کام ہے۔ کچھ لوگ شاید عمارت کا قبلہ رخ ہونا دیکھ کر اندازہ کرلیں کہ یہ اقامت صلوٰۃ کا کام ہورہا ہے لیکن عام لوگ اس کی نوعیت سے اسی وقت آگاہ ہوتے ہیں جب کام پورا ہوچکتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ اقامت دین کا ہے۔ لوگ اقامت دین کے بنیادی تقاضوں کو جب نہیں سمجھتے تو وہ متعجب ہوتے ہیں کہ یہ اقامت دین کا کیسا کام ہورہا ہے۔ دراں حالیکہ یہ ساری ضروریات فریضہ اقامت دین کی ہیں جو پوری ہوں گی تو اقامت دین کا کام ہوگا۔ لوگ عام طور پر تبلیغ کو تو سمجھتے ہیں لیکن اقامتِ دین کی اصطلاح اُن کے لئے اجنبی ہوتی ہے اور وہ اس کے مفہوم اور تقاضوں کو کماحقہ نہیں سمجھ پاتے۔ اقامت دین، جماعت اسلامی کا صرف اجتماعی مقصد نہیں بلکہ اس کے ایک ایک رکن کا ذاتی مقصد بھی ہے۔ تبلیغ انفرادی طور پر بھی ہوسکتی ہے مگر اقامت کے لئے جدوجہد اجتماعی اور منظم ہونی چاہئے۔ جو لوگ اقامت دین کے تقاضوں کا شعور رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ ایک ایسا عملی کام ہے جس کے لئے اجتماعیت کی ضرورت ہے۔ یہ کام منظم محنت کا محتاج ہے اور منتشر اور غیر منظم افراد سے ہرگز انجام نہیں دے سکتے۔ دنیا میں بعض ایسے اجتماعی ادارے بھی ہیں، جہاں ایک فرد اپنا ذاتی مقصد الگ رکھتے ہوئے بھی ان کے محدود مقاصد کی تکمیل میں شریک ہوسکتا ہے، مثلاً کوئی کلب ہے جو بالکل محدود مقاصد کے لئے وجود پذیر ہوا ہے، لوگ اس کے رکن بنتے ہیں اور کلب کے مقصد کے لئے کام کرتے ہیں، لیکن کلب کا مقصد ان کی اپنی شخصی زندگیوں کا مقصد نہیں ہوتا۔ جماعت اسلامی کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اس جماعت کا ہر رکن جس کو اپنا اجتماعی یا جماعتی مقصد جانتا ہے وہ اس کا ذاتی مقصد بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص دین کو اپنا مقصد زندگی بنالے، اپنی انفرادی زندگی میں بھی اور اجتماعی زندگی میں بھی، وہ اپنی ہر سعی اور اپنی محنت کی ہر رمق اس میں کیوں نہ لگائے، وہ ضرور لگائے گا۔ جماعت اسلامی کے کارکنوں کو اچھی طرح سے یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے، یہ دین ان کا ذاتی مقصد بھی ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنا کوئی مقصد زندگی مقرر کرلیا ہے تو پھر اس کے لئے فطری اور ضروری ہے کہ وہ اس کے حصول کے لئے اپنے تمام ذرائع، وسائل اور اپنا تمام وقت اور اپنی محنت وقابلیت اس میں لگادے، کیونکہ وہ مقصد اس کا مقصد زندگی ہے اور وہ اسی کے لئے جیتا ہے اور اگر کوئی شخص اقامت دین کو اپنا مقصد زندگی قرار دے کر کام نہیں کرتا تو کہنا پڑے گا کہ وہ اس کا مقصد زندگی ہی نہیں۔ اگر اقامت دین اس کا مقصد زندگی ہوتا اور وہ اس کا شعور بھی رکھتا تو حضرت صدیق اکبرؓ کے طرز عمل کی یاد اسے ضرور بے چین کئے رکھتی۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ایشیا، ۱۹رمئی ۱۹۶۸ء)

امریکہ اور یورپ دوسروں کو برداشت کرنا سیکھیں

ایم ابراہیم خان

◎

مغرب نے تین صدیوں کے دوران مختلف شعبوں میں پیش رفت کی منفرد مثالیں قائم کی ہیں۔ فطری علوم اور ان سے متعلق فنون میں مغرب کی بھرپور پیش رفت نے روئے زمین پر زندگی کو نئی شکل دی ہے۔ کل تک جو کام سو افراد مل کر ایک ماہ میں بھی نہیں کرپاتے تھے وہ اب چند افراد مشینوں کی مدد سے چند گھنٹوں میں کرلیتے ہیں۔ مگر معاملہ مادّی ترقی تک محدود رہا ہے۔ نظریاتی اور روحانی آسودگی عام کرنے کے معاملے میں مغرب خاصا پس ماندہ ثابت ہوا ہے۔ دنیا بھر کی آسائشوں کا حامل مغربی معاشرہ نفسیاتی اور روحانی طور پر آج بھی خاصا کمزور ہے۔ مغرب نے یہ سمجھ لیا تھا کہ فطری علوم اور فنون میں اس کی پیش رفت سے متاثر ہوکر دنیا اس کی ہر سوغات کو اپنالے گی مگر ایسا نہ ہوسکا۔ کسی بھی قوم کی اقدار اسی وقت اپنائی جاسکتی ہیں جب ان اقدار میں دم خم ہو۔

کسی قوم کی عسکری فتوحات سے متاثر ہوکر کوئی بھی اس قوم کا مذہب اور تہذیب قبول نہیں کرتا۔ سیاسی آئیڈیلز ہی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ مغرب نے لبرل ڈیموکریسی کو دنیا بھر میں مقبولیت سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس کوشش میں وہ مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوسکا۔ ہر نظریہ تمام معاشروں پر انطباق پذیر نہیں ہوسکتا۔ مغرب کے دانشور بھی اب اس امر کا اعتراف کررہے ہیں کہ لبرل ڈیموکریسی نافذ نہیں کی جاسکتی۔ ہر معاشرے کی اپنی ثقافتی اور مذہبی روایات ہوتی ہیں جنہیں ذہنوں سے کھرچنا آسان نہیں ہوتا۔ کسی بھی سیاسی نظریے کو متعلقہ معاشرے کی ضروریات کے مطابق ہی اپنایا جاسکتا ہے۔ بعض معاشرے جمہوریت کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ ان کی صدیوں پرانی اقدار کا ڈھانچہ اس قدر مستحکم ہے کہ لاکھ کوشش کرنے پر لوگوں کے ذہنوں سے کھرچ کر پھینکا نہیں جاسکتا۔

فرانس کے سابق وزیر خارجہ ہیوبرٹ ویدرین کا تجزیہ یہ ہے کہ یورپ کو بین الاقوامی سیاست میں موثر طور پر واپس آنے کے لئے نئی بصیرت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو اپنانے کا کلچر بھی پیدا کرنا ہوگا۔ امریکہ اور یورپ کو مغرب کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے اور ان دونوں نے عالمی سیاست اور معیشت پر جو دور رس اثرات مرتب کئے ہیں انہیں نظر انداز کرکے کسی نئی دنیا کا خواب شرمندہ تعبیر کرنا تو بہت دُور کا معاملہ ہے۔ ایسا خواب دیکھا بھی نہیں جاسکتا۔

ہیوبرٹ ویدرین کی کتاب History Strikes back میں امریکہ اور یورپ کے درمیان دوستی اور مفاہمت کا نیا دور شروع کرنے پر زور دیا گیا ہے تاہم انہیں ساتھ ہی ساتھ دوسروں کو قبول کرنے کا عندیہ بھی دینا ہوگا۔ اُبھرتی ہوئی قوتوں کو قبول کئے بغیر کوئی بھی مثبت تبدیلی رونما نہیں ہوگی۔ کسی بھی نوع کی شراکت میں اس قدر لچک کا ہونا لازم ہے کہ دوسروں کی بھی خندہ پیشانی سے قبل کرنا ممکن ہو۔ اس کتاب کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

امریکی بالادستی کا دور لد گیا۔ مغرب نے جو چاہا تھا، پالیا۔ مگر اب دوسرے خطوں کو بھی بہت کچھ ملنے والا ہے۔ طاقت کے مراکز تیزی سے تبدیل ہورہے ہیں۔ ایسے میں امریکہ اور یورپ کو مل کر فیصلہ کرنا ہوگا کہ دیگر خطوں کو سیاست اور معاشی قوت کے نیٹ ورک میں کس طور شریک کیا جائے۔ اس فیصلے میں تاخیر سے خود مغرب ہی کو نقصان پہنچے گا۔ مغرب کی اقدار اور مفادات دونوں ہی داؤ پر لگے ہوئے ہیں۔ مستقبل بعید میں ان کی بقا کا مدار اس امر پر ہے کہ باقی دنیا کے ساتھ چلنے کے لئے وہ کیا حکمت عملی اختیار کرتا ہے۔ ایک آپشن تو یہ ہے کہ مغرب ان تمام ممالک کو نظر انداز کردے جو اس کی بالادستی کے لئے خطرہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور صرف ان ممالک کو گلے لگائے جنہیں وہ پسند کرتا ہے۔ چند ممالک کو ''اچھا'' اور دوسروں کو ''برا'' قرار دے کر ان کے خلاف محاذ بنالیا جائے۔ چند ممالک پر بین الاقوامی پابندیاں عائد کرکے ان کی معیشت اور سیاست کو بڑی حد تک تباہ کردیا جائے اور انہیں سر اٹھانے کے قابل ہی نہ چھوڑا جائے۔ اور جن ممالک کو اپنا مطیع بنانا ہو ان پر جمہوریت مسلط کردی جائے۔ اور یہی نہیں، بلکہ ان تمام اقدامات کو عالمی برادری کی خواہش بھی قرار دیا جائے۔ اب تک امریکہ نے یہی کیا ہے اور اس کے بھیانک نتائج بھی دنیا نے دیکھ لئے ہیں۔ امریکی قیادت اپنی مرضی کمزور ممالک پر تھوپتی آئی ہے۔ کئی خطے اس روش کے باعث عدم توازن اور عدم استحکام سے دوچار ہوئے ہیں۔

بش انتظامیہ کی یہی سوچ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس طور ایک نیا مشرق وسطیٰ معرض وجود میں لایا جاسکے گا۔ مگر ایسا نہ ہوسکا اور پانچ ارب سے زائد غیر مغربی باشندوں کی نظر میں مغرب کا وقار مزید مجروح ہوا۔ امریکہ اپنی طاقت اور دولت کے بل پر اب بھی کروڑوں افراد کے لئے پرکشش ہے تاہم اس سے نفرت کرنے والوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ بش انتظامیہ نے اپنی بات منوانے کے لئے شدید خوف کے ماحول کو برقرار رکھا اور دنیا کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ دہشت گردوں سے نمٹنے کے لئے امریکہ اور دیگر مغربی قوتوں ہی پر انحصار کرنا ہوگا۔ بش انتظامیہ ہی کے دور میں دہشت گردوں کو سب سے بڑا خطرہ قرار دے کر امتیازی حیثیت دی گئی۔ امریکہ نے سیاست اور معیشت میں اپنی برتری ہر قیمت پر برقرار رکھنے کی کوشش کی اور اس کے لئے دوسروں کو خوفزدہ کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ ابتداء میں یہ طریقہ امریکیوں کی اکثریت کو بہت اچھا اور کارگر لگا۔ مگر یورپ کے باشندے امریکہ کو شک کی نظر ہی سے دیکھتے رہے۔ امریکہ نے جو کچھ کیا اس نے مغرب کو اپنے اثرات کا دائرہ وسیع کرنے کے اہم موقع سے محروم کردیا۔ برطانیہ نے امریکہ کا ساتھ دیا مگر دیگر یورپی ممالک ہر معاملے میں امریکہ کے ہمنوا نہیں۔ باقی دنیا کے لئے یورپ کے متبادل پالیسیاں ممکن اور موجود ہیں۔ مسلم دنیا کو ناراض کرنے میں امریکہ نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، مگر یورپ نے اس معاملے میں متوازن رویہ اپنایا ہے اور کوشش کی ہے کہ پالیسیوں میں توازن برقرار رہے۔ اس تبدیلی کو امریکی عوام بھی محسوس کرنے لگے ہیں۔ انہیں اس بات کا احساس ہے کہ مسلم دنیا سے تعلقات بگاڑنے پر ان کی حکومت نے خاصی محنت کی ہے۔

یورپ نے ہر معاملے میں توازن اور بردباری کا مظاہرہ کیا ہے امریکہ کو جمہوریت نافذ یا مسلط کرنے کے تجربے کی ناکامی سے سبق سیکھنا چاہئے اور ان ممالک کی نفسیاتی مشکلات کو سمجھنا چاہئے جو کبھی مغرب کے زیر تسلط رہے ہیں۔ مغرب کے تسلط سے گلو خلاصی کرنے کے باوجود ایشیا اور افریقہ کے کئی ممالک کے لئے مغرب سے بہتر طور پر کنارہ کش ہونا اب تک ممکن نہیں۔

مشرق وسطیٰ کو نئی شکل دینے کا خیال خاصا دل کش تھا۔ امریکہ میں بیشتر ڈیموکریٹس کو بھی یقین تھا کہ ان کی حکومت مشرق وسطیٰ کا نقشہ تبدیل کرنے میں کامیاب ہوجائے گی۔ انہیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ اقوام متحدہ کی حدود سے ہٹ کر جمہوری ممالک کی اپنی ایک تنظیم بھی معرض وجود میں لائی جاسکتی ہے! مگر اب مغرب کو اس بات کا یقین ہو چلا ہے کہ جمہوریت یا دوسرا کوئی بھی نظام حکومت کچھ دنوں کے لئے مسلط تو کیا جاسکتا ہے، مگر متعلقہ معاشرے کی رضامندی کے بغیر پائیدار بنیاد فراہم نہیں کی جاسکتی۔ مغربی ممالک کسی بھی خطے میں سازشوں کے ذریعے ممالک کے حصے بخرے تو کرسکتے ہیں، کوئی مثبت معاشرتی یا سیاسی تبدیلی نہیں لاسکتے۔ کسی بھی معاشرے میں جمہوریت کی جڑیں مضبوط کرنے میں ایک زمانہ درکار ہوا کرتا ہے۔ مگر مغرب اس بات کو سمجھنے، ماننے یا قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہر معاملے میں من مانی کرنے سے جو خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں وہ پیدا ہورہی ہیں۔ دنیا بھر میں اپنی اقدار کے فروغ کو کوشش کے دوران مغرب نے مقامی حقائق کو یکسر نظر انداز کیا ہے۔ اب یہ روش ترک کی جانی چاہئے۔ کسی بھی معاشرے کی اقدار کو بہتر طور پر سمجھے بغیر کوئی بڑی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ جامد معاشرے بھی تبدیل کئے جاسکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے خلوص نیت کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے اور صبر سے مزین انتظار بھی شرط ہے۔

مغرب کو اُبھرتی ہوئی معاشی قوتوں کے ساتھ مل کر کام کرنا ہے۔ جن ممالک کی معاشی حالت زیادہ خراب ہے انہیں مزید دبانے اور دبوچ کر رکھنے کے بجائے ان سے اشتراک عمل کی راہ پر گامزن ہونے کی ضرورت ہے۔ یورپ نے دیرپا ترقی اور مفاہمت کا نسخہ پالیا ہے۔ اب صرف امریکہ کو راضی کرنا رہ گیا ہے۔ آج کی دنیا میں مخاصمت، محاذ آرائی اور کشیدگی کی گنجائش کم ہی رہی گئی ہے۔ عالمگیریت کا تقاضا ہے کہ سب مل کر کام کریں اور دنیا کو بہتر سکونت گاہ میں تبدیل کریں۔ امریکہ کی حکومتی مشینری کو تسلیم کرنا ہوگا کہ معاملات کو سیاسی اور سفارتی طریقوں سے درست کرنا ہی درست ہوگا۔

مشرق وسطیٰ میں حقیقی امن کا قیام ناگزیر ہے۔ عرب اسرائیل تنازع حل کئے بغیر حقیقی امن اور استحکام کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ امریکہ اور یورپ کو نظریات سے منہ موڑ کر سیاست کی طرف واپس آنا ہوگا۔ ہر معاملے کو نظریاتی نقطہ نظر سے دیکھنا کس قدر خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ اس کی وضاحت اب ضروری نہیں رہی۔ امریکہ نے ۱۹۴۵ء میں ایک نئے عالمی نظام کی تشکیل میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد قائم ہونے والی لیگ آف نیشنز کے تجربے کی ناکامی سے امریکی قائدین نے بہت کچھ سیکھا اور دوسری جنگ عظیم کے دوران نئے عالمی نظام کے بارے میں سوچا اور جنگ کے خاتمے پر اسے عملی شکل بھی دے دی۔

کل تک یہ ممکن تھا کہ ایک یا دو ممالک عالمی سیاست اور معیشت کو کنٹرول کرلیں اور عسکری بنیاد پر اپنی حیثیت مستحکم تر کریں مگر اب ایسا ممکن نہیں ہے۔ کئی ممالک تیزی اُبھر رہے ہیں اور ان کی معیشت اور عسکری حیثیت کے استحکام کو روکنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ چند ممالک علاقائی بنیاد پر تنظیمیں بناکر معاشی اور دفاعی امور کے تقاضے پورے کررہے ہیں۔ امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس یا جرمنی مل کر بھی دنیا کو چلا نہیں سکتے۔ مغربی دنیا کو یہ بات سمجھنا ہوگی کہ اب زمانہ مل کر چلنے کا ہے۔ ایشیا اور بحرالکاہل کے علاقے میں چند ممالک اس قدر تیزی سے مستحکم ہورہے ہیں کہ انہیں نظر انداز کرنا عالمی مالیاتی نظام کو داؤ پر لگانے کے مترادف ہوگا۔ بین الاقوامی سیاسی تھیٹر چند اداکاروں کے کنٹرول میں ہوگا تو خرابیوں کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ علاقائی بنیاد پر قائم ہونے والے سیاسی اور معاشی اتحاد بین الاقوامی معیشت کے لئے مشکلات ہی پیدا کرتے رہے ہیں۔ یورپی یونین نے علاقائی اور بین الاقوامی دونوں سطحوں پر اپنے وجود کو منوانے کی کوشش کی ہے اور دوسروں کو ساتھ لے کر چلنے کا جذبہ بہت حد تک موجود ہے۔ امریکہ اس امر کو تسلیم کرنے سے گریز کررہا ہے کہ اب دنیا کو کسی ایک میکینزم سے نہیں چلایا جاسکتا۔ اقوام متحدہ جیسے ادارے اس دنیا کے لئے کسی بھی طور موزوں نہیں۔ علاقائی تنظیموں کو بھی اہم گرداننا ہوگا اور ان کی باتوں کو ماننا بھی ہوگا۔ ایشیا سب سے بڑا براعظم ہے۔ اس میں جاپان اور چین جیسے ترقی یافتہ اور بھارت، ملائشیا اور انڈونیشیا جیسے تیزی سے اُبھرتے ہوئے ممالک ہیں۔ اسی طور جنوبی امریکہ میں برازیل اور وینزویلا کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بین الاقوامی سیاسی اور معاشی حالات پوری دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

ترقی یافتہ دنیا میں اختلافات معمول کا حصہ ہیں۔ اسی طرح اُبھرتی ہوئی معیشتوں میں بھی بہت سے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اختلافات کی بنیاد پر کشیدگی اور محاذ آرائی دانش مندی نہیں۔ چند عشروں کے دوران مختلف نوعیت کے اتحاد بنتے اور ٹوٹتے رہے ہیں اور ایسا ہوتا رہے گا۔ تمام ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کو یہ بات یاد رکھنا ہوگی کہ آج کی دنیا میں ترقی اور جنگ کو محدود نہیں رکھا جاسکتا۔ کشیدگی دو ممالک کے درمیان بھی ہوتو پہلے پورے خطے کو متاثر کرتی ہے اور اس کے بعد عالمی سطح پر بھی اس کے اثرات محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اُبھرنے والی دنیا میں حیرت انگیز امر یہ ہے کہ جنگ وجدال اور ترقیات کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری رہتا ہے۔ کہیں امن ہے اور ترقی کے لئے بھرپور اقدامات کئے جارہے ہیں۔ اور کہیں کشیدگی اور محاذ آرائی ہے۔ کئی خطے شدید عدم استحکام سے دوچار ہیں اور دوسری طرف کئی خطوں میں بظاہر سکون، خوشحالی اور استحکام ہے۔ دنیا اسی طور پر چلتی رہی ہے، اور چلتی رہے گی۔

مغرب کو اندرونی اختلافات سے گریز کرنا ہوگا۔ امریکہ اور یورپی یونین کو بدلتی ہوئی دنیا میں بہتر ہم آہنگی اور فہم کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ ان کے اندرونی اختلافات دو خطوں کو شدید متاثر کریں گے۔ دونوں کو زمینی حقائق کے مطابق اپنی پالیسیاں ہی نہیں، حکمت ہائے تبدیلی بھی تبدیل کرنا پڑیں گی۔ ایسا کرنا اس لئے ناگزیر ہے کہ عالمی سیاست اور معیشت میں ان کا کردار نمایاں ہے اور ان کے اختلافات ان ہی کی نہیں، عالمی نظام کی کمزوری کا باعث بنیں گے۔ یورپ کے اندرونی اختلافات سے بھی امریکہ کو کچھ نہیں ملے گا۔ چند اُبھرتی ہوئی قوتوں کو اس کا فائدہ البتہ پہنچے گا۔ چین، بھارت اور دیگر اُبھرتی ہوئی قوتوں کو بہتر طور پر سمجھنے اور برتنے میں امریکہ اور یورپ کے درمیان ہم آہنگی کا پایا جانا ناگزیر ہے۔

آٹھ سال کے بعد امریکہ میں نئی انتظامیہ آرہی ہے اور یہ انتظامیہ واقعی نئی ہے۔ براک اوباما امریکہ کے پہلے سیاہ فام صدر ہی نہیں، قومی حکومت کے قیام کی راہ ہموار کرنے والے پہلے امریکی رہنما کا اعزاز بھی پانے والے ہیں۔ انہوں نے اپنی انتظامیہ میں ری پبلکن پارٹی سے ایسی شخصیات کو بھی شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو ملک کو بہتر طور پر چلانے میں خاصی معاون ثابت ہوسکتی ہیں۔ براک اوباما سے یورپ نے بھی خاصی توقعات وابستہ کررکھی ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ اوباما کی قیادت میں امریکہ تبدیل ہوگا اور عالمی سطح پر ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔ امریکہ اور یورپ کو زمینی حقائق کی بنیاد پر ایک ایسا سیاسی اور دفاعی اتحاد تشکیل دینا ہے جس میں دوسروں کو قبول کرنے کی گنجائش اور کسی بھی صورت حال کے مطابق تبدیل ہونے کی صلاحیت پائی جاتی ہو۔ امریکہ تنہا سفر کرنے کی پالیسی ترک کردے تو عالمی سطح پر مثبت تبدیلیاں رونما ہوں گی اور اربوں افراد سکون کا سانس لیں گے۔ امریکہ کو یورپ سے بامعنی مذاکرات کے لئے تیار ہونا ہے۔ دونوں کے درمیان امن، دوستی اور اقتصادی تعاون، کا نیا رشتہ دنیا بھر میں اہم تبدیلیوں کی راہ ہموار کرے گا۔ سوال صرف یہ ہے کہ امریکہ مذاکرات کی میز پر کوئی ایسا قدم تو نہیں اٹھائے گا جو اس کی انا کا مظہر ہو؟

مغرب کے لئے فیصلے کی گھڑی آچکی ہے۔ معاشی اور عسکری قوت کی بنیاد پر تہذیبی برتری قائم اور ثابت نہیں کی جاسکتی۔ مغرب کے اہل دانش اس بات کو سمجھتے ہیں اور اسی لئے وہ مفاہمت کی بات کررہے ہیں۔ مغرب کے سیاست دانوں اور عسکری قائدین کو پالیسیوں پر نظر ثانی کرنا ہوگی تاکہ دوسروں کو قبول کرنے کا بھرپور جذبہ اور گنجائش پیدا ہو۔ اُبھرتی ہوئی قوتیں عالمی حالات پر اثر انداز ہورہی ہیں۔ ان کا راستہ روکنا بہت کچھ داؤ پر لگانے کے مترادف ہوگا۔ توانائی اور خوراک کا بحران پیدا کرکے اُبھرتی ہوئی معیشتوں کو دبایا نہیں جاسکتا۔ اس نوع کے اقدامات سے خود ترقی یافتہ دنیا کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے لئے بہتر راستہ یہ ہے کہ چین، بھارت اور برازیل جیسی اُبھرتی ہوئی قوتوں کے وجود کو پوری دیانت سے تسلیم کریں اور ان کے ساتھ کام کرنے پر توجہ دیں۔ اسی صورت عالمگیر سطح پر ہم آہنگی پیدا ہوگی اور دنیا کو ایک نئے، خوش کن دور میں داخل کرنا ممکن ہوسکے گا۔ ●●

> **مشرق وسطیٰ کو نئی شکل دینے کا خیال خاصا دل کش تھا۔ امریکہ میں بیشتر ڈیموکریٹس کو بھی یقین تھا کہ ان کی حکومت مشرق وسطیٰ کا نقشہ تبدیل کرنے میں کامیاب ہوجائے گی۔ انہیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ اقوام متحدہ کی حدود سے ہٹ کر جمہوری ممالک کی اپنی ایک تنظیم بھی معرض وجود میں لائی جاسکتی ہے! مگر اب مغرب کو اس بات کا یقین ہو چلا ہے کہ جمہوریت یا دوسرا کوئی بھی نظام حکومت کچھ دنوں کے لئے مسلط تو کیا جاسکتا ہے، مگر متعلقہ معاشرے کی رضا مندی کے بغیر پائیدار بنیاد فراہم نہیں کی جاسکتی**

یورپی زبانوں میں عربی کے متعدد الفاظ استعمال ہوتے ہیں

ڈاکٹر ف عبدالرحیم

انٹرویو: الطاف احمد مالانی عمری

ڈاکٹر ف عبدالرحیم صاحب کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ موصوف کا شمار علم لسانیات کے عالمی ماہرین میں ہوتا ہے۔ اس فن میں ان کی کئی کتابیں عربی اور اُردو میں شائع ہوکر سندِ قبولیت حاصل کرچکی ہیں۔ اسی فن میں چند ماہ پہلے ان ایک نئی تصنیف انگریزی زبان میں Europe Speaks Arabic کے نام سے انسٹی ٹیوٹ آف دی لینگویج آف دی قرآن، ٹورنٹو، کینڈا سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب کی اشاعت کے بعد اس کے تعلق سے ڈاکٹر صاحب سے ایک گفتگو ہوئی جو پیش خدمت ہے:

س: کتاب کا نام خاصا چونکا دینے والا ہے۔ اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟

ج: کتاب کا موضوع عربی زبان کے وہ الفاظ ہیں جو انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں میں مستعمل ہیں اور ان کے جزو لاینفک بن چکے ہیں۔ ان میں سے بعض الفاظ زبان کے بنیادی عناصر کا درجہ رکھتے ہیں۔ بنابریں کچھ مبالغہ کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یورپی لوگ عربی بولتے ہیں۔ میں نے کتاب میں لکھا ہے کہ انگریزی جملے Check Sugar in your Coffee, admiral میں سارے کے سارے الفاظ عربی الاصل ہیں۔ "admiral" عربی کے امیر البحر کی مختصر شکل ہے۔ انہوں نے (البحر) سے (بحر) کو حذف کردیا، اور اس کے (ال) کو (امیر) کے ساتھ جوڑ دیا۔ اس طرح یہ لفظ (امیرل) بن گیا۔ فرانسیسی زبان میں یہ لفظ اب تک amiral ہی ہے۔ انگریزی میں بھی پہلے (امیرل) تھا بعد میں انگریزی زبان کے ماہرین نے سمجھا کہ یہ لفظ لاطینی (ableadmir) یعنی قابل ستائش کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ چنانچہ انہوں نے Amiral میں ایک حرف ''d'' کا اضافہ کردیا اس طرح یہ لفظ admiral بن گیا۔ Coffee عربی لفظ قہوۃ سے ماخوذ ہے۔ Sugar عربی سُکّر سے آیا ہے۔ اور Check شطرنج کے اصطلاحی لفظ (شاہ) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس لفظ کی دلچسپ تاریخ میری کتاب ''پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ الفاظ سے'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

س: کیا آپ کتاب کی تالیف کے پس منظر پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟

ج: ویسے تو اوائل عمر سے یہ میری دلچسپی کا موضوع رہا ہے اور میں ایسے الفاظ جمع کرتا رہا ہوں۔ لیکن گزشتہ تقریباً تین برسوں سے اس موضوع پر میں نے دوبارہ زیادہ توجہ دی ہے۔

س: اس توجہ اور دلچسپی کی کوئی خاص توجہ؟

ج: زبانیں قوموں کی تہذیب کی آئینہ دار ہوتی ہیں چنانچہ یورپی زبانوں میں ان عربی الفاظ کا وجود زندگی کے مختلف میدانوں (علمی، سیاسی، سائنسی، اور عسکری) میں مسلمانوں کی ترقیوں اور دنیا پر ان کے اثرات کا ایک ہلکا سا پرتو ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس پہلو کو اُجاگر کرنے کی آج سے زیادہ سخت ضرورت کبھی نہیں رہی تاکہ ایک طرف جہاں یورپی اقوام اور غیر مسلموں میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوسکے اور یہ بات ان کے سامنے آسکے کہ انسانی تہذیب وتمدن کی ترقی میں مسلمانوں کا قابل قدر حصہ رہا ہے وہیں دوسری طرف اس تعلق سے مسلمانوں میں پایا جانے والا احساس کمتری بھی دُور ہوسکے۔

س: آپ نے الفاظ کو کتاب میں کس طرح پیش کیا ہے؟ مختلف زبانوں میں پائے جانے والے عربی الفاظ کی زبان کی ترتیب سے فہرست پیش کی ہے یا کوئی اور طریقہ اپنایا ہے؟

ج: انگریزی اور بعض دوسری یورپی معتبر ڈکشنریوں میں الفاظ کی اصل بتائی جاتی ہے جن میں ضمناً ان الفاظ کا بھی تذکرہ ہوتا ہے جن کی اصل عربی ہے۔ المورد کے آخر میں بھی اس طرح کے الفاظ کی فہرست موجود ہے۔ چنانچہ اگر صرف فہرست ہی مقصود ہوتو اس کے حصول کے مختلف ذرائع ہیں۔ میں نے بھی ابتداء میں ڈکشنری کے طرز پر ان الفاظ کو مرتب کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ یہ کتاب خواص تک محدود نہ رہے۔ بلکہ عوام بھی اسے پڑھیں، اگر ان الفاظ کی فہرست دی جاتی تو کتاب میں عام قارئین کے لئے دلچسپی کا کوئی پہلو نہ ہوتا۔ اس لئے میں نے ڈکشنری والا انداز ترک کرکے کتاب کو مکالمے کی شکل میں ڈھالا ہے۔ مکالمہ احمد نامی ایک عرب اور Eric نامی ایک انگریز کے درمیان ہے۔ مکالمے کے ذریعے کتاب میں دلچسپی پیدا کرنے اور اسے آخر تک برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری یہ کوشش بحمداللہ کافی حد تک کامیاب رہی۔ ساتھ ہی میں نے یہ کوشش کی ہے کہ اسلوب خالص علمی اور سائنسی ہو، انداز بیان نرم ہو، مخاطب کے احترام کے ساتھ اپنی بات اس کے گوش گزار کی جائے اور اظہار برتری نیز تضحیک اور تذلیل سے پرہیز کیا جائے۔

س: آپ نے جن الفاظ کو اصلاً عربی قرار دیا ہے ان کے بارے میں دیگر ماہرین کی کیا رائے ہے؟ کیا وہ بھی آپ سے اتفاق رکھتے ہیں؟

ج: میں نے اس کتاب میں صرف ان الفاظ کا تذکرہ کیا ہے جنہیں انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں کے ماہرین نے بھی اصلاً عربی تسلیم کیا ہے۔ اس طرح یہ صرف میری انفرادی رائے نہیں ہے۔ البتہ اس کے ذریعہ ضمناً آکسفورڈ کی بعض غلطیوں کی نشاندہی اور تصحیح کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً قطن کو آکسفورڈ میں قوطن درج کیا گیا ہے۔

س: کتاب میں کن زبانوں پر زیادہ توجہ دی گئی ہے؟

ج: اس میں فرانسیسی، انگریزی، اطالوی، اسپانوی، پرتگالی، جرمن، سویڈش، ڈچ، روسی اور ڈینش، زبانوں کے الفاظ کا بالالتزام ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ کہیں کہیں حربی، جدید یونانی، البانوی اور مقدونی الفاظ کا تذکرہ بھی ہے۔

س: کچھ مزید الفاظ کی نشاندہی جن کا آپ نے کتاب میں ذکر کیا ہو۔

ج: میں یہاں صرف الفاظ کا ذکر کروں گا ان کی تفصیل کتاب میں دی گئی ہے۔ بعض الفاظ یہ ہیں: alcohol, arsenal, average, benzene, cable, cotton, carat, cheque, lute, magzine, mattress, mocha, soda, sofa, tarif, vega, zenith, zero وغیرہ۔

س: ہندوستان میں یہ کتاب کہاں سے مل سکتی ہے؟

ج: کتاب مدراس کے اس پتے سے حاصل کی جاسکتی ہے:

Islamic Foundation Trust
78, Perambur High Road,
Chennai

●●

سیموئیل پی ہنٹنگٹن: بعداز مرگ بھی متنازع شخصیت

عمران لاری

امریکہ کے مشہور مصنف سیموئیل پی ہنٹنگٹن ۲۴؍دسمبر ۲۰۰۸ء کو انتقال کرگئے۔ ان کی پیدائش ۱۸؍اپریل ۱۹۲۷ء کو امریکہ کے شہر نیویارک میں ہوئی۔ انہوں نے نیویارک، یونیورسٹی سے پولیٹیکل سائنس میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد امریکی فوج میں شمولیت اختیار کرلی، جس کے بعد شکاگو یونیورسٹی سے ماسٹرز ڈگری اور ہارورڈ یونیورسٹی سے اسی مضمون میں ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔ ان کی پہلی کتاب "Soldier and the State" ۱۹۵۷ء میں منظر عام پر آئی جس کا موضوع عوامی حکومت اور فوجی تعلقات تھا۔ اس کتاب کو امریکی سول سوسائٹی میں بہت سراہا گیا، لیکن جس کتاب نے انہیں صفِ اوّل کے مصنفین کی فہرست میں شامل کیا وہ "Politcal in changing Societies" تھی۔ اس کے بعد انہوں نے سیاست، جدیدیت، معاشیات اور سماجی ترقی پر کئی کتابیں تحریر کیں، ساتھ ہی امریکن اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی معاونت بھی کی۔ ۱۹۶۸ء میں شائع ہونے والا ان کا مقالہ "Foreign Affairs" اسی سلسلے کی کڑی تھا۔ ۱۹۷۶ء میں Trilateral Commission کی شائع ہونے والی رپورٹ "Crisis Domocracy" میں بھی ان کی معاونت شامل تھی۔ ان کے علاوہ بھی ہنٹنگٹن نے کئی کتابیں تصنیف کیں، لیکن عالمی سطح پر جس کتاب نے ان کو مشہور مصنفین اور نقادوں کی فہرست میں شامل کیا۔ اس کا نام "The Clash of Civilizations" ہے۔ اس کتاب کو جہاں بہت سراہا گیا ہے، وہیں اس کے بارے میں ایک تاثر یہ بھی پایا جاتا ہے کہ مذکورہ کتاب ہی سرد جنگ کے اختتام پر عالمی تہذیبوں کے درمیان خلیج میں اضافے کا باعث بنی۔ یہ بات کچھ ناقدین کی نظر میں درست ہے تو کچھ اس بات کو تصور کا صرف ایک رُخ سمجھتے ہیں۔ ۱۹۸۶ء میں ہنٹنگٹن کو نیشنل اکیڈمی آف سائنس کی ممبر شپ کے لئے نامزد کیا گیا، لیکن یہ نامزدگی اس وقت تنازع کا شکار ہوگئی، جب ریاضی کے پروفیسر سرج لینگ نے ہنٹنگٹن کی نامزدگی کو چیلنج کردیا۔

پروفیسر لینگ اور ہنٹنگٹن کے اختلافات کی بنیادی وجہ ۱۹۶۸ء میں شائع ہونے والی کتاب Political Order in Changing Societies ہے۔ جس میں ہنٹنگٹن نے لینگ کے ایک تبصرے کو'' نام نہاد شماریاتی تجزیہ'' قرار دیا تھا۔ اس کے بعد سے دونوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے، جن میں ۱۹۸۶ء تک کافی شدت آگئی۔ ہنٹنگٹن معروف مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ ہارورڈ یونیورسٹی کے شعبۂ تعلقات عامہ کے سربراہ بھی تھے۔ اس کے علاوہ ''دی نیویارک ٹائمز'' اور دی نیو ریپبلک'' میگزین کے لئے مضامین بھی تحریر کرتے رہے۔ آج بھی ایک طرف تو ان کی تحریر کردہ کتابیں مختلف ملکوں کے نصاب میں پڑھائی جارہی ہیں تو دوسری طرف ان کی کئی تصانیف (خاص طور پر ''تہذیبوں کا تصادم'') پر ناقدین کے تبصرے وتجزیے جاری ہیں۔

ہنٹنگٹن کے تجزیے پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ وہ تہذیبوں کے تصادم کی وکالت کررہے ہیں۔

سیموئیل پی ہنٹنگٹن کے بارے میں جامعہ کراچی کے پروفیسر ڈاکٹر سید جعفری کا کہنا ہے کہ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں ان کی تحریریں امریکہ ویورپ اور بہت سے دوسرے خطوں کے سیاسی نصاب میں شامل ہوچکی تھیں۔ وہ مغربی سیاسی نظاموں اور لبرل سیاسی اقدار کے بڑے علمبردار اور اشتراکیت

باقی صفحہ ۸ پر

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:-dawaturdu@indiatimes.com, dawattrust@yahoo.co.in

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57 POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2009 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

اسرائیلی وزیراعظم اور امریکی صدر دونوں جنگی مجرم ہیں

اسامہ موسیٰ، بھارت میں فلسطینی سفیر

غزہ پٹی میں جو کچھ ہورہا ہے وہ اسرائیلی قابضوں کی طرف سے کھلا قتل عام ہے۔ یہ فلسطینیوں کا پہلا قتل عام نہیں ہے اور نہ ہی اسے آخری قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہمارے پاس اس امر کے مکمل ثبوت موجود ہیں کہ شہید ہونے والے فلسطینیوں میں اکثریت عام شہریوں، خواتین، بچوں اور ایسے خاندانوں کی ہے جن کو اس حالت میں قتل کیا گیا کہ وہ سورہے تھے یا اپنے گھروں کے اندر چھپے بیٹھے تھے۔ پندرہ لاکھ سے زیادہ فلسطینی اس خطرہ کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں کہ انہیں کسی بھی وقت قتل کردیا جائے گا۔ اسرائیلی، حماس پر حملے نہیں کررہے ہیں وہ فلسطین کے سول شہریوں پر حملے کررہے ہیں۔ اسرائیلی، امریکہ کے بنائے ہوئے جہاز اپاچے ایف ۱۶ اور سامان جنگ استعمال کررہے ہیں وہ اپنے جدید ترین ہتھیاروں کا ہمارے جسموں پر تجربہ کررہے ہیں۔

اسرائیل جنگی مجرم ہیں کیونکہ وہ عام سول شہریوں کو قتل کررہے ہیں۔ وہ دہشت گرد ہیں۔ اسرائیلی مملکت دہشت گرد مملکت ہے۔ وہ اقوام متحدہ کی رکن ہے۔ حماس اقوام متحدہ کی ممبر نہیں ہے۔ اسرائیل کو یہ قتل عام فوری طور پر بند کرنا چاہئے۔ ہم اسرائیل کے سیاسی اور فوجی لیڈروں کو جنگی مجرم قرار دیتے ہیں۔ ان کے خلاف بین الاقوامی کورٹ میں بطور جنگی مجرم مقدمہ چلایا جانا چاہئے۔ وزیراعظم ایہود اولمرٹ جنگی مجرم ہے۔ وزیر فاع ایہود براک ایک جنگی مجرم ہے۔ لیفٹنٹ جنرل جابی اشکنین زی اسرائیلی دفاعی فورسز کا چیف آف اسٹاف ایک جنگی مجرم ہے۔ اس کے شواہد موجود ہیں۔ ہم بچوں کی لاشوں کے فوٹو جمع نہیں کرسکتے۔

اسرائیل کہتا ہے وہ سول شہریوں کو نشانہ نہیں بنارہا ہے لیکن اگر وہ سول شہریوں کو نشانہ نہیں بنارہا ہے تو پھر کون بنارہا ہے؟ ہم بین الاقوامی انسانی برادری سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اسرائیل کی بطور دہشت گرد مملکت مذمت کرے۔ غزہ کے اندر لوگوں کو جان بچاکر بھاگنے کے لئے بھی جگہ نہیں ہے۔ عام طور سے جنگ کی حالت میں سول شہری محفوظ مقامات پر منتقل ہوجاتے ہیں۔ لیکن غزہ والوں کے پاس جان بچاکر بھاگنے کے لئے بھی جگہ نہیں ہے۔ خود میرا بیٹا وہاں ہے۔ میرا خاندان وہاں ہے۔ میرے بہت سے دوست وہاں ہیں۔ وہ کہتے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ وہ کب مرجائیں گے۔ فلسطینیوں کے پاس نہ کھلا دفاع ہے نہ چھپا دفاع ہے کوئی بھی کھلا دفاع نہیں ہے۔ نہ طیارہ شکن میزائل ہیں نہ اسرائیلی طیاروں سے مزاحمت کرنے والے طیارے ہیں نہ حملہ کے لئے ہتھیار ہیں نہ چھپنے کے لئے پناہ گاہ جیسی دفاعی پوزیشن ہے۔ نہ کھانے کا سامان ہے نہ بجلی ہے اور نہ ہی پانی ہے۔ کیونکہ غزہ کی ایک زمانہ سے حصار بندی چل رہی ہے نہ ہی لوگوں کے علاج معالجہ کے لئے حسب ضرورت اسپتال ہیں۔

اسرائیل حماس پر جنگ بندی کی خلاف ورزی کا الزام لگاتا ہے لیکن حماس کے راکٹ ان کے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ٹوماہاک کروز میزائل نہیں ہیں یہ ڈبے ہیں۔ پائپ ہیں جو آواز کرتے ہیں جس سے اسرائیلی خوفزدہ ہوجاتے اور لرز اٹھتے ہیں لیکن اسرائیل ان کے جواب میں غزہ کا پورا ڈھانچہ ہی تباہ کررہا ہے۔ عام شہریوں کو قتل کررہا ہے یہ کوئی نارمل جواب نہیں ہے۔ وہ حماس پر راکٹ داغنے کا الزام لگاکر اپنی حرکتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں۔ شہریوں کو قتل کرنے کا کوئی جواز نہیں ہوسکتا۔ دنیا حماس کو دہشت گرد گروپ تصور کرتی ہے کیونکہ اس کی نظروں میں وہ لوگ اسرائیل پر راکٹ داغنے اور شہریوں کو قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے وہ ایک دہشت گرد گروپ ہے لیکن اس مملکت کو کیا کہیں گے جو عام شہریوں کو قتل کررہی ہے؟ ایک ایسی مملکت جو اقوام متحدہ کی ممبر ہے؟۔

کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ غزہ پر حملے ایسے وقت ہورہے ہیں جب امریکہ میں اقتدار کی منتقلی ہونے والی ہے اور بارک اوباما جارج ڈبلیو بش سے اقتدار اپنے ہاتھوں میں لینے والے ہیں اور شاید اسرائیلی عملاً صورتحال کو بدلتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں لیکن میں اس نظریہ پر یقین نہیں کرتا کیونکہ یہ کوئی پہلا قتل عام نہیں ہے۔ وہ ہمیں قتل کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کرہی لیتے ہیں، یہ نہ کوئی پہلا قتل عام ہے اور نہ ہی آخری ہوگا، لیکن اس بار وہ اسرائیل کے اندرونی انتخابات کے لئے زیادہ سے زیادہ فلسطینیوں کو قتل کرنے کے لئے وہ زبردست فورس استعمال کررہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اسرائیل کا وزیراعظم وہ لیڈر بنے گا جس نے سب سے زیادہ فلسطینی قتل کئے ہوں گے۔ اس لئے وہ جنگی مجرم ہیں اور آپ حماس کی کارروائی کو اسرائیل کے جواب سے مماثلت نہیں دے سکتے۔

جہاں تک اقوام متحدہ سمیت بین الاقوامی برادری کے ردعمل کا سوال ہے اس زمینی سیارہ پر فیصلہ کن حیثیت صرف امریکہ کو حاصل ہے حتیٰ کہ اس کی اجازت کے بغیر اقوام متحدہ کی میٹنگ بھی نہیں ہوسکتی۔ اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں کوئی قرارداد بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ اگر امریکی اس سے راضی نہ ہوں اس طرح چابی تو امریکیوں ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ امریکہ، اسرائیلی حرکتوں کو ایک منٹ میں روک سکتا ہے۔ وہ اسرائیل سے کہہ سکتے ہیں، وہ عام شہریوں کو قتل کرنے کے لئے ہمارے جہاز اور ہتھیار کیوں استعمال کررہے ہیں؟ کیونکہ امریکہ کے آئین کے مطابق اگر وہ کسی ملک کو ہتھیار دیتے یا فروخت کرتے ہیں تو وہ یہ شرط لگادیتے ہیں کہ یہ ہتھیار عام شہریوں کے خلاف استعمال نہیں کیا جانا چاہئے، لیکن امریکہ کے بنائے ہوئے ٹینکوں، طیاروں اور سامان جنگ کی وجہ سے ہی مر رہے ہیں۔ ہم نے اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں جنگ بندی کی کوشش کی تو امریکہ نے اس سے انکار کردیا تمام فیصلے امریکہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اسرائیل بھی امریکہ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ ہمارے قتل میں امریکہ بھی اسرائیل کا ایک پارٹنر ہے۔ ہم بش کو بھی بالکل ایہود اولمرٹ ہی کی طرح جنگی مجرم تصور کرتے ہیں۔

جنگ بندی اور صورتحال کو بہتر بنانے کے لئے تمام عرب لیڈر اور ہمارے صدر وقت بھی اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں گئے تھے تاکہ ان سے کہیں اور درخواست کریں کہ وہ جنگ بندی کے لئے راضی ہوجائیں۔ کمزور جنگ بندی کے لئے فوراً راضی ہوجاتا ہے کیونکہ وہ کمزور ہے۔ لیکن طاقتور کہتا ہے بعد میں دیکھیں گے۔ اس لئے اصل مجرم اسرائیل ہے جو اس سے انکار کررہا ہے۔ تمام عرب ممالک صورتحال کو بہتر بنانے کے لئے اپنی سی کوشش کررہے ہیں، ہم لڑائی میں تن تنہا ہیں لیکن جب انسانی مدد کا سوال آتا ہے تو ہم تنہا نہیں رہتے۔ یہ دو ہمیں تمام عرب ملکوں سے مل رہی ہے اور آپ ہر جگہ مظاہرے دیکھ رہے ہیں۔ اگر ہم غلطی پر ہیں تو اس پورے روئے زمین پر ہر جگہ مظاہرے کیوں ہورہے ہیں؟ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ غلطی پر کون ہے؟ اس وقت حماس اور الفتح کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس وقت مسئلہ فلسطینیوں کے قتل کو روکنے کا ہے۔ ہمارے صدر نے اور ہم سب نے ان (حماس) کو مشورہ دیا لیکن تمام فریقوں پر ہمارا کوئی کنٹرول نہیں ہے کیونکہ ہم کوئی حکومت ومملکت نہیں ہیں۔ اگر ہم حکومت ہوتے تو ہم بذریعہ فورس کنٹرول کرسکتے تھے۔ ہم تو اسرائیل کے زیر تسلط ہیں۔ ہم ایسی حالت میں کسی کو بذریعہ فورس کنٹرول نہیں کرسکتے۔ جبکہ اسرائیلی ہمیں قتل کررہے ہیں۔ اگر ہم آزاد وخود مختار ملک ہوتے تو ہم ہر ایک کو کنٹرول کرسکتے تھے۔ ہمارا صدر بغیر اسرائیل کی اجازت کے سفر نہیں کرسکتا۔ ہم کوئی آزاد مملکت نہیں ہیں، ہم زیر تسلط ہیں۔ صدر نے حماس کو مشورہ دیا کہ وہ اسرائیل کو فلسطین کے عام شہریوں کو قتل کرنے کے سلسلے میں موقع دینے کے لئے راکٹ نہ داغے۔ جبکہ حماس نے دس بیس سے زیادہ لوگوں کو مارنے میں کامیابی حاصل نہیں کی ہے۔ سارا نقصان عام شہریوں کا ہی ہورہا ہے۔ آج مصیبت میں کون گرفتار ہے؟ عام شہری، کھانے کے لئے سامان کس کے پاس نہیں ہے؟ شہریوں کے یہ سب کچھ قبضے کی وجہ سے ہورہا ہے۔ ہم حماس کو الزام نہیں دے سکتے نہ ہی فتح کو الزام دے سکتے ہیں۔ ہم صرف یہ درخواست کرتے ہیں کہ یہ قبضہ ختم کیا جائے اور ۱۹۶۷ء کی سرحدوں کو قائم کردیا جائے جس سے مغربی کنارہ اور غزہ پٹی آزاد ہوجائیں۔

اسرائیل کہتا ہے اس نے مغربی کنارے پر قبضہ نہیں کررکھا ہے لیکن میں مغربی کنارہ نہیں جاسکتا کیونکہ مجھے وہاں جانے کے لئے اسرائیلی اجازت کی ضرورت ہے اور اسرائیل مجھے وہاں جانے کی اجازت دینے سے انکار کرتا ہے۔ میں ان کی اجازت کے بغیر اپنے گھر نہیں جاسکتا۔ اسرائیل کہتا ہے کہ اس نے غزہ کو خالی کردیا ہے۔ لیکن اگر انھوں نے غزہ پٹی کو خالی کردیا ہے تو غزہ کے لوگ سفر کیوں نہیں کرسکتے؟ اسرائیل نے سرحدیں بند کررکھی ہیں اور کوئی باہر نہیں جاسکتا۔ مجھے کسی فوری حل کی کوئی امید نہیں ہے لیکن میں امید کرتا ہوں کہ یہ قتل بند کردیا جائے گا۔ جارج ڈبلیو بش نے اپنے دور صدارت کے آخری دنوں میں ایک اور قتل عام کا ارتکاب کیا ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ جارج ڈبلیو بش کا ایجنٹ ہے۔ جارج ڈبلیو بش اس کا آقا ہے۔ بش فلسطینیوں کا قاتل ہے کیونکہ اگر وہ یہ قتل نہ چاہے تو یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ ہم جنگ بندی چاہتے ہیں لیکن امریکہ انکار کرتا ہے۔ جارج ڈبلیو بش اپنی صدارت کا خاتمہ تاریخ میں ایک بڑے سیاہ داغ کے ساتھ چاہتا ہے۔ یہی سب کچھ ہورہا ہے۔ ●●

حرم شریف کے ایک مینار میں حادثہ

مکہ مکرمہ۔ یہاں واقع حرم شریف میں زیر تعمیر ایک مینارہ میں ایک حادثہ پیش آیا۔ جس کے دوران آہنی ستون اور ڈھانچے گرنے سے ملبے میں بارہ مزدور دب گئے۔ ان میں کئی مزدور ہلاک ہوگئے۔ یہ بات مکہ مکرمہ کی سول ڈیفنس سروس کے ذرائع نے بتائی۔ بتایا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے احاطے میں تعمیراتی کام جاری ہے۔ اس طرح کا تعمیراتی کام ایک مینارے کی مرمت کے لئے کیا جارہا تھا جس کے لئے فولادی ڈھانچے مینارہ کے اندرونی حصے میں نصب کئے گئے تھے۔ اس ڈھانچے کے اندر مزدور کام کررہے تھے تب یہ ڈھانچہ منہدم ہوگیا اور بارہ مزدور اس میں دب گئے۔ امدادی عملہ فوراً وہاں پہنچ گیا اور ملبے میں دبے ہوئے مزدوروں کو باہر نکال کر فوراً اسپتال پہنچایا گیا۔ سول ڈیفنس ذرائع نے کہا کہ کچھ مزدوروں نے دم توڑ دیا، لیکن تادم تحریر انھوں نے مہلوکین کی تعداد نہیں بتائی۔

حالیہ برسوں میں مکہ مکرمہ میں تعمیراتی پروجیکٹوں میں کئی حادثات ہوچکے ہیں، اس لئے اب سعودی حکام تعمیراتی کمپنیوں کے لئے سخت ضابطے کے نفاذ پر غور وخوض کررہے ہیں۔ حجاج کرام کی ہر سال تعداد بڑھتی جارہی ہے اور اس سے بھی زیادہ زائرین ماہ رمضان المبارک میں عمرہ کے لئے آنے لگے ہیں اس لئے حج وعمرہ کے لئے آنے والے زائرین وحجاج کرام کی تعداد میں اضافے کے پیش نظر حرم شریف میں توسیع کا کام جاری ہے۔ اس کے علاوہ تعمیراتی کام بھی سال بھر چلتا رہتا ہے۔ علاوہ ازیں مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے آس پاس بھی بڑے پیمانے پر ڈیولپمنٹ کے پروجیکٹ چل رہے ہیں۔ چونکہ حرم شریف اور آس پاس کے علاقوں میں بہت ہی وسیع پیمانے پر تعمیراتی کام ہوتا ہے جو کہ رمضان المبارک اور حج سیزن سے قبل کے ابتدائی ایام میں اپنے ٹارگیٹ کے مطابق مکمل کرنا ہوتا ہے۔

بقیہ: سیموئل ہنٹنگٹن: بعداز مرگ بھی متنازع شخصیت

کے ایک بہت بڑے ناقد تھے۔ انہوں نے بیس پچیس کتابیں لکھیں، لیکن جو شہرت ''تہذیبوں کا تصادم'' نامی کتاب کو حاصل ہوئی، وہ کسی اور کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ اس کتاب میں ہنٹنگٹن نے بنیادی طور پر دو باتیں کہی ہیں۔ پہلی یہ کہ ان کے خیال میں سرد جنگ کے خاتمے کے بعد دنیا میں کشیدگی اور تصادم کے پرانے حوالے ختم ہوچکے ہیں اور یہ کہ اب بین الاقوامی نظام میں اختلافات اور تضادات یا ہنٹنگٹن کے الفاظ میں Fault lines ثقافتوں اور تہذیبوں کے درمیان قائم ہوں گی۔ ان کا خیال تھا کہ آئندہ جنگیں جن لوگوں کے درمیان ہوں گی، وہ اپنی ثقافتوں اور ثقافتی شناختوں کے حوالے سے منقسم ہوں گے۔ دوسری اہم بات، جو ہنٹنگٹن نے کہی وہ یہ تھی کہ طاقت کا توازن بڑی تیزی کے ساتھ امریکہ ویورپ سے نکل کر ایشیا کی طرف منتقل ہورہا ہے۔ ایشیائی تہذیبیں اقتصادی، فوجی اور سیاسی اعتبار سے طاقتور ہوتی جارہی ہیں۔ وہ مسلمانوں کو بھی ایشیائی تہذیبوں کے زمرے میں رکھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ مسلمان بھی آبادی اور طاقت کے لحاظ سے مضبوط ہوتے جارہے ہیں۔ اسی طرح کنفیوشس کے ماننے والے، جس سے مراد چینی نسل کے لوگ ہیں، ان کو بھی وہ ایشیا کی اُبھرتی ہوئی تہذیبی طاقت گردانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مغرب کا مقابلہ ان ایشیائی تہذیبوں کے ساتھ ہے اور تصادم بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہنٹنگٹن اس تصادم کی وکالت نہیں کررہے ہیں، جیسا کہ عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے۔ وہ صرف اس امکانی تصادم کی نشاندہی کررہے ہیں۔ بلکہ وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اس تصادم کو روکنا چاہئے اور اس کے لئے وہ ایک ایسے عالمی نظام کی وکالت کرتے ہیں۔ جو تہذیبوں کے درمیان ہم آہنگی اور بقائے باہمی کی ضمانت دیتا ہو۔ لیکن ان کی کتاب کے اس حصے پر بالعموم لوگوں کی نظر نہیں گئی۔ ہنٹنگٹن کے تجزیے پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ وہ تہذیبوں کے تصادم کی وکالت کررہے ہیں۔ ان پر اصل تنقید یہ کہ جاسکتی ہے کہ ان کی تشخیص میں نقص ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی رائے میں آج کے عالمی نظام میں اصل تضاد تہذیبوں اور ثقافتوں کے درمیان نہیں بلکہ استعماری طاقتوں اور ان کی پالیسیوں سے متاثر ہونے والے کمزور اور مظلوم معاشروں کے درمیان ہے۔ امریکہ اور یورپ کو بجائے خود مسلمانوں کے ساتھ کوئی بیر نہیں، بلکہ جو مسلمان ملک ان کے عالمی، اقتصادی وسیاسی مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ ہیں، وہ ان کے حلیف ہیں۔ مسلم دنیا کی بادشاہتوں، خلیج کی ریاستوں اور ان کے شیوخ سے مغرب کو کوئی خطرہ نہیں، البتہ جن ملکوں میں اس استعمار کے مخالف پائے جاتے ہیں، مغرب اور امریکہ ان کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج بھی دنیا میں اصل تصادم تہذیبوں کے درمیان نہیں بلکہ استعمار اور اس کی مخالف قوتوں کے درمیان ہے۔ ●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی، عمیر کوٹی ندوی، اشرف علی بستوی

نومسلم خواتین کی ایمان افروز داستانیں

شائقین کی زبردست مانگ پر آسان ہندی زبان میں

ہمیں خدا کیسے ملا؟ (اردو) ترجمہ وتالیف: ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

gesa[+kqnkoSQlsfeyk (ہندی) ترجمہ: رئیس احمد فلاحی

اردو صفحات 480 قیمت Rs.120/-

ہندی صفحات 464 قیمت Rs.100/-

دنیا بھر کی ۸۰ نومسلم خواتین کے قبول اسلام کی ایمان افروز داستانیں۔

☆ یہ کتاب کچھ ایسی نومسلم خواتین کی پرعزیمت داستانوں اور ایمان افروز واقعات پر مشتمل ہے جو انتہائی اثر انگیز اور روح پرور ہیں جنہیں پڑھ کر ہم بھی اپنی ایمانی کیفیت کو تروتازہ کرسکتے ہیں۔

محترمہ سنتھیا (Syntia) فرماتی ہیں: ''میں نے کچھ کتابیں حاصل کیں اور پڑھنے لگی، اسلام کے بارے میں ان کتابوں نے مجھے خاصا متاثر کیا۔ جب میں نے یہ کتابیں پڑھیں تو میرے دل میں قرآن پاک پڑھنے کا خیال پیدا ہوا اور میں نے انگریزی میں ترجمہ قرآن پاک کا ایک نسخہ حاصل کرلیا۔ قرآن پاک کے اس ترجمے نے مجھے عجیب طرح کا روحانی سرور بخشا جسے میں بیان نہیں کرسکتی۔ آج میں سمجھتی ہوں کہ اگر کوئی بھی شخص دلچسپی، انہماک اور لگن سے قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ اس مقدس کتاب الٰہی کی حقانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا''۔ (اقتباس مذکورہ کتاب)

نوٹ: اسلامی واصلاحی، تبلیغی دعوتی کتب کے لئے ہم سے رابطہ قائم کریں:

مدھر سندیش سنگم

E-20، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی 25 فون 26953327, 26925156 فیکس 23276741

Online Unani Herbal Consultation

044-28481344 E-mail:drameen@vsnl.net

for Sinusitis ★Joints Pain ★infertility
★nervous ★debility ★Obesity
★beauty & Hair Care

in public interest by **Dr. Syed M.M. Ameen**
B.U.M.S. (OSM)., M.D. (Herbal Med).,
Ph.D. (MED)., M.N.S.A. (IND)

S.K's Herbal Medical Hospital & Research Centre
36, J.J.K. Road, Royapettah, Chennai-600014 INDIA

رجسٹریشن 28/ فروری 2009 تک

☆ روزمرہ استعمال ہونے والی عربی زبان اور عربی پڑھنے والے طالب علموں کو معاصر تقاضوں سے جوڑنے کی ایک بڑی کوشش

☆ باوقار روزگار کے مواقع کی تیاری میں آسانی کی غرض سے ان کورسیز کو عربی شارٹ ہینڈ اور کمپیوٹر پیکیج سے جوڑنے کی کوشش

سرٹیفکیٹ ان فنکشنل عربک (Session: 2009-2010)

(Certificate in Functional Arabic)

اہلیت: اردو کی بنیادی تعلیم مع قواعد۔ عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔

فیس: طالبعلم فارم اور رجسٹریشن کیلئے 200/ روپے یا اس کا ڈرافٹ کونسل کے مندرجہ ذیل کسی بھی عربی سرٹیفکیٹ اسٹڈی سینٹر پر جمع کرسکتے ہیں۔

کورس کی میعاد: ایک سال۔ طالبعلم ہر پانچ ماہ کے بعد اختیارات کونسل کے اسٹڈی سنٹر پر جمع کریں گے۔ سال کے اختتام پر ایک پرچہ پر مشتمل فائنل امتحان کونسل کے منظور شدہ اسٹڈی سنٹر پر کونسل کی طرف سے لیا جائے گا۔ مجموعی کامیابی کے بعد ہی کونسل کی طرف سے کامیاب طالبعلم کو "Certificate in Functional Arabic" کا سرٹیفکیٹ دیا جائے گا۔ کونسل سے براہ راست سرٹیفکیٹ کورس کرنے کی بھی سہولت ہے۔ براہ راست کورس کرنے کیلئے -/500 روپے کا ڈرافٹ "NCPUL, Payable at New Delhi" کے نام بنوا کر کونسل میں جمع کرسکتے ہیں۔ تفصیل کے لئے رابطہ قائم کریں۔

ڈپلومہ ان فنکشنل عربک (Session: 2009-2011)

(Certificate in Functional Arabic)

اہلیت: عربی کی ابتدائی تعلیم مع قواعد۔ اس کے علاوہ عربی لکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت بھی لازمی ہے۔ عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔

فیس: طالبعلم فارم اور رجسٹریشن کیلئے 200/ روپے یا اس کا ڈرافٹ کونسل کے مندرجہ ذیل کسی بھی عربی ڈپلومہ اسٹڈی سنٹر پر جمع کرسکتے ہیں۔

کورس کی میعاد: دو سال۔ طالبعلم ہر پانچ ماہ کے بعد اختیارات کونسل کے اسٹڈی سنٹر پر جمع کریں گے۔ دو سال کے اختتام پر ایک پرچہ پر مشتمل فائنل امتحان کونسل کے منظور شدہ اسٹڈی سنٹر پر کونسل کی طرف سے لیا جائے گا۔ مجموعی کامیابی کے بعد ہی کونسل کی طرف سے کامیاب طالبعلم کو "Diploma in Functional Arabic" کا سرٹیفکیٹ دیا جائے گا۔

کنٹیکٹ کلاس: دونوں کورسیز کیلئے کونسل کے اسٹڈی سینٹر میں عربی بول چال میں مہارت کی غرض کی تکمیل کے لئے کنٹیکٹ کلاسز کی سہولت ہوں گی جس میں طالبعلم کی حاضری لازمی ہے۔

نوٹ: اسٹڈی سینٹر کے انچارج ان دونوں کورسیز کے الگ الگ، مگر مجموعی ڈرافٹ "NCPUL, Payable at New Delhi" کے نام رجسٹریشن فارم کے ساتھ قومی اردو کونسل نئی دہلی کو رجسٹر پوسٹ سے ارسال کریں۔ رجسٹریشن کے بعد تعداد کے مطابق کورس میٹریل ارسال کئے جائیں گے۔

ڈاکٹر علی جاوید
(ڈائرکٹر)

اسٹڈی سنٹرس کے نام، پتے اور دیگر تفصیلات کے لئے ہماری ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in ملاحظہ کریں۔

یا درج ذیل پتے پر رابطہ کریں:

ایجوکیشن سیل، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔8، ونگ۔7، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی 110066

فون 26109746, 26169416 فیکس 26108159 ای میل: ncpularabicsection@gmail.com

ننھے منے بچوں کے لئے انگلش سکھانے کی درسی کتاب

Systematic **ABC** English Reader

باتصویر، آسان اور مفید ترین بھی

آج ہی حاصل کریں

ناشر **البدر بک سینٹر**

مہاجنی ٹولہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، یوپی 9839591434

ترجمۂ قرآنِ مجید (انگریزی)

Towards Understanding The Qur'an

از: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ

انگریزی ترجمہ: ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے شہرۂ آفاق اور عام وخاص طبقے میں یکساں مقبول وپسندیدہ اردو ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی کا عام فہم، سلیس اور شگفتہ انگریزی ترجمہ۔

بڑے سائز (۲۳×۳۶/۱۶) کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد شائقین کی بے حد خواہش اور اصرار پر چھوٹے سائز (Pocket Size) ڈی لکسیم بھی شائع ہوگیا ہے۔

آخر میں موضوعات کی فہرست بھی درج ہے۔

سائز: ۲۳×۳۶/۳۲ ● صفحات: ۱۳۶۰ ● ہدیہ Rs.200/-

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵

Post Box. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110 025
Phones:26971652,26954341, Fax:26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com Website: www. mmipublishers.net